

نغمہ سرمد

سرمد کی فارسی رباعیوں کا ترجمہ اردو رباعیوں میں

مترجم

عرش ماسیانی

اُئی سربازوں کے قصہ میں حیاتِ سرمد
تیرے منصوروں کو مصرانِ ملی داروں پر

ساحر دہلوی



PdfBy, Miskin Mazhar Ali Khan

Cell No, 00966590510687

فیس بک & واٹس ایپ گروپ،
خاکہ، حلم

نغمہ سرمد

rekhta

✓ عُمُریّت که آوازهُ منصور کهن شد

من از سِر نو جلوه و هم دار و رسن را

تذکرہ سرمد

سرمد کی فارسی رباعیوں کا ترجمہ اردو رباعیوں میں

مترجم

عرش ماسیانی

میں امیری صاحب کا شکر گزار ہوں کہ رباعیات کا صحیح ترین متن مجھے ان سے ملا۔ حالات مصنف اور اس کی شاعری پر مختصر محاکے کی غرض سے میں نے بہت سی کتابیں دیکھیں۔ ان میں سے اہم ترین کتابوں کی فہرست کتابیات کے تحت کتاب کے آخر میں درج ہے۔

بہت سی رباعیاں سربد سے یوں بھی منسوب ہو گئی ہیں اور اس باب میں مولانا ابوالکلام آزاد ایسے فاضل لوگوں سے بھی قانع ہوا ہے۔

سرا بگڑشت و این دل زار ہمہ گرما بگڑشت و این دل زار ہمہ
القصہ تمام سرود و گرم عالم برما بگڑشت و این دل زار ہمہ

مولانا آزاد نے غبارِ خاطر میں یہ رباعی سربد سے منسوب کی ہے حالانکہ بقول قاضی عبدالودود یہ رباعی ذرہ کی ہے جو سید شمس الدین فقیر کے شاگرد ہیں۔ ہو سکتا ہے جن رباعیوں کا ترجمہ کیا گیا ہو ان میں سے بھی کوئی رباعی غلطی سے سربد سے منسوب ہو گئی ہو۔

قاضی عبدالودود صاحب نے میری رہنمائی کی، اس لیے ان کا شکر گزار ہوں۔

ترجمے کو قبلہ والد صاحب حضرت جوش ملیحانی نے اصلاح کی نظر سے دیکھا۔ ان کا یہ بزرگانہ کرم میرے اظہارِ شکر گزار ہی سے بے نیاز ہے۔

عرش ملیحانی

rekhta

تخت مسر

سرد کے سوانح اور شاعری

سرد کے حالات زندگی نہیں ملتے۔ عہد عالمگیری کے تاریخ نویس سیاسی مصلحتوں کی بنا پر سرد کے باب میں خاموش ہیں۔ دو کتابوں سے تھوڑے بہت حالات ملتے ہیں۔ ریاض الشعر امصفہ علی قلی خاوالہ داغستانی اور دبستان مذاہب۔ ان کے علاوہ کلمات الشعراء از سرخوش میں بھی مجملہ اس کا ذکر آتا ہے۔

صفحہ ۲۴۲-۲۴۴۔ مطبوعہ نول کشور پریس ۱۸۸۱ء

دبستان مذاہب کے مصنف نے اپنا نام نہیں لکھا لیکن اپنے حالات دیئے ہیں۔ سرولیم جونس نے غلط فہمی کی بنا پر اسے فانی کشمیری کی طرف منسوب کیا ہے اور بہتوں نے بشمول ابوالکلام آزاد اس کی تقلید کی ہے لیکن سرولیم جونس کو خود اس پر اصرار رہا تھا۔ جیسا کہ بعض معاصرین کی تحریر سے ثابت ہے۔ ملا فیروز نے اپنی شائع کردہ دساتیر میں اس مصنف کا نام میر ذوالفقار علی لکھا ہے اور آثار الامراء میں غالباً ذوالفقار تخلص بہ موجب لکھا ہے۔ یہیں کہا جاسکتا کہ ملا اور صاحب آثار کے ذہن میں دو مختلف اشخاص ہیں، یا ایک۔ بہر حال ذوالفقار علی یا ذوالفقار تخلص بہ موجب کے حالات کسی نے نہیں تحریر کیے کہ یہ کہا جاسکے کہ دبستان کے مطابق ہیں یا نہیں۔ میر تقی رائے ہے کہ اس کا مصنف مسلمان تھا۔ یہ اس مذہب کا ماننے والا تھا جو دساتیر میں پیش کیا گیا ہے۔ فرہنگ انجن آرمی ناصری اور بعض دوسری ایرانی کتابوں میں اس مصنف کا نام خسرو بن آذکیر ان بتایا ہے اور یہ میر سے نزدیک بہترین قیاس ہے۔ بخوبی ممکن ہے کہ اس کا تخلص سوبہ ہو اور بعض اوقات یہ اپنے کو ذوالفقار علی بھی کہتا ہو۔ دساتیر مذہب والے کبھی بھی اپنا ایک مسلمان نام بھی رکھتے تھے۔ (قاضی عبدالودود کے ایک خط کا اقتباس)

سید کلیم سرد مجذوب وضع سراپا برہنہ بود۔ بمذاق تصوف آشنائی تمام داشت۔ گاہ گاہ فکیر باطنی می کرد۔ دارا شکوہ خلف بادشاہ از راہ موحیدی اوراد دست می داشت۔ پیش بادشاہ تعریف او کرد۔ خلیفہ الہی عنایت خاں آشنایا برائے تفتیش تحقیق کشف و کرامات او فرستاد۔ خان معزالیہ اورادید و باز خدمت شاہ رفت و احوال او بایں بیت نمود۔ (بقیہ ص ۱۰ پر)

سرد کا اصل نام محمد سعید تھا۔ وہ ۱۶۱۸ عیسوی میں شاہ عباس کے زمانے میں کاشان میں پیدا ہوا۔ اس کے والدین آرمینی یہودی تھے۔ یہودیوں کی مقدس کتاب توریت اس نے بچپن ہی میں زبانی یاد کر لی تھی۔ جب جوئے علم اس کی جبلت تھی۔ توریت کے بعد بائبل اور عیسائیت کی دوسری کتابوں کا مطالعہ کیا۔ تشنگی علم پھر بھی نہ بجھی تو اسلامی کتب کا مطالعہ کیا۔ عربی اور فارسی پر اسے پوری قدرت تھی۔ خوش نصیبی سے اسے ملا صدرا الدین شیرازی اور ابوالقاسم فندرسکی جیسے اساتذہ کامل مل گئے۔ چنانچہ انھیں کمال استادوں کی تعلیمات کے زیر اثر مشرف باسلام ہوا۔ فندرسکی بہت آزاد خیال تھا اس لیے سرد کی آزاد خیالی ایک ایسا در نہ تھا جو اسے استاد سے ملا۔

جمع الانکار میں متمدن خاں مصنف اقبال نامہ جہانگیری کے حوالے سے درج ہے کہ سرد ۱۶۳۱ء میں ہندوستان میں پہنچا۔ وہ تجارت کے سلسلے میں آیا اور سندھ کی بندرگاہ ٹھٹھہ کے مقام پر قیام پذیر ہوا۔ یہاں وہ ابھی چند نامی ایک ہندو لڑکے کی محبت میں گرفتار ہو گیا۔ لڑکے کے باپ نے لڑکے کو چھپا لیا اور معاملے کی اطلاع ٹھٹھہ کے بخشی مرزا محمد بیگ کو کر دی۔ محمد بیگ نے سرد کو ایک شر لکھا جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر افلاک کے خزانے میرے پاس ہوتے تو میں درم کے عوض غریبوں کو تارے بخشتا۔ اس کے جواب میں سرد نے نہایت برجستہ اور حسبِ مطلب رباعی مرزا بخشی کو لکھ کر بھیجی۔

بر سر برہنہ کرامات تہمت است کشفی کہ ظاہر است از کشف محبت است

درد اہل جلوس عالمگیر شاہ بہبب الحاد و دریائی بفتوائی طمائی زبان بقتل رسید۔ از سرد است رباعی سرد چلم را کہ
درد اکرم الخ سرد کہ ز جام عشق مستش گردند الخ ہر کس کہ حقیقتش بادرشد الخ

۱۱
اے بادِ بمیر زانی بخشی
گفتی کہ کو اکب چورم می پاشم
کالے کردہ فلک زیرِ رایت رختی
خوشید مرا نیز بن می بخشی
بقول مولانا روم

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
چو غلامِ آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

روایت ہے کہ ابھی چند اس کے ساتھ ہو لیا۔ سرمد نے اسے علم و فضل کی دولت بخشی۔ زبور
داؤد اور خمسہ موسیٰ پڑھایا۔ ابھی چند کا یہ شعر اس کے مسلک کا مظہر ہے۔

ہم مطیعِ فرستادم ہم کیشش رہبانم
رہبانِ یہودانم کافرِ مسلمانم

سرمد اس کی محبت میں اس قدر والہ و شیدا ہوا کہ برہنہ تن رہنے لگا۔ سرمد کی اس محبت کے باب میں اخلاق
کا درس دینے والے خواہ کچھ کہیں لیکن اہل دل جانتے ہیں کہ شعلہ محبت جب لپکتا ہے تو وہ احتیاط اور
مصلحتوں کو خس و خاشاک کی طرح جلا دیتا ہے۔ سرمد کو دردِ محبت ملا تھا اور بقول مولانا عطار

کفرِ کافر را دینِ دیندار را

ذرہ در دے دلِ عطار را

وہ اس درد کی لذت سے بہرہ یاب ہونے پر فخر کرتا تھا وہ کبھی یہ محسوس کرتا تھا۔

سرمد در دینِ عجب شکستی کردی ایمانِ بقدانی چشمِ مستی کردی

باجز دنیا ز جملہ نقدِ خود را رفتی و نثارِ بت پرستی کردی

لیکن اس کے باوجود معشوق کے رتبے کے باب میں یہاں تک کہہ گیا
خداے من ابھے چند است یا دیگر

راہ عشق میں سب کچھ ٹا کر بہہ نہ تن دیوانہ فرزانہ اپنے محبوب کے ساتھ تھقہ سے عازم سفر ہوا
۱۶۳۲ء میں معتمد خاں اس سے لاہور کے ایک باغ میں ملا۔ لیکن قیام لاہور کا زمانہ کتنا تھا اس کو
کوئی شہادت نہیں ملتی۔ معتمد خاں کے بیان کے مطابق سرد بڑا ہر دل عزیز تھا۔ ہر نقطہ خیال کے
لوگ اس کے گرد جمع رہتے تھے۔ یہاں تک کہ امراء بھی اس کی صحبت سے فیض یاب ہوتے تھے
اس کے بعد بارہ تیرہ سال کی مدت تک سرد کا کوئی پتہ نہیں۔ ۱۶۴۶ء میں وہ حیدر آباد
(دکن) پہنچا۔ حیدر آباد جاتے ہوئے وہ دہلی یا آگرہ گیا اس کا کوئی علم نہیں۔ عبداللہ قطب شاہ اس
وقت گوکنڈہ کے کاہادشاہ تھا اور شیخ محمد خاں اس کا وزیر اعظم۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ شاہ
گوکنڈہ اور اس کے وزیر اعظم نے سرد کی پذیرائی نہیں کی۔ لیکن دبستان مذاہب کے حوالے سے پتہ
چلتا ہے کہ شاہ اور وزیر دونوں سرد کی بہت عزت کرتے تھے۔ سرد نے شیخ محمد (وزیر) کی مدح میں
ایک رباعی بھی کہی ہے۔

حیدر آباد کے عوام بھی سرد کی عظمت کے قائل اور اس کے پرستار تھے۔ مصنف دبستان نے
لکھا ہے کہ وہ اس مجمع میں موجود تھا جس میں سرد نے میر جملہ کو ترقی درجات کی دعا دی تھی۔ فقیر کی یہ
دعا حوت بہ حوت درست ثابت ہوئی۔ میر جملہ مغلیہ افواج میں شامل ہو گیا اور بعد میں بنگالے کا گورنر
بنا۔ شیخ محمد کی موت کی پیش گوئی کی تو اس نے سرزمین حجاز میں مرنے کے لیے کئے کا سفر اختیار کیا
لیکن ساحل عرب کے قریب ایک ہولناک طوفان میں جہاز غرق ہو گیا۔

سید آباد میں سرمد کا یہ معمول تھا کہ وہ اپنے عقیدت مندوں کو فی البدیہہ ربا عیاں سنا تا۔ اس کی باعیوں میں تصوف کے سائل ہیں۔ ترک ہوا دھوس کا درس ہے۔ دنیا اور مال و منال کو بے حقیقت ٹھہرایا ہے وہ عالم باعمل تھا۔ تارک دنیا تھا۔ یہاں تک کہ لباس برہنگی اختیار کر رکھا تھا۔ لوگ اس کے کلام سے متاثر ہو کر اس کے گردیدہ ہو جاتے۔ اس کی شہرت قطب شاہ کی سلطنت کے باہر دور دراز تک پہنچی۔ وہ دلی کب آیا۔ اس کی صحیح تاریخ متعین نہیں کی جاسکتی۔ شاہ جہاں کی حکومت کے آخری دور میں وہ دلی آیا۔ عوام اس کے گرد جمع ہونے لگے۔ داراشکوہ اس کا حلقہ بگوش بن گیا۔ سرمد کے مزید حالات جاننے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ داراشکوہ کی زندگی پر روشنی ڈالی جائے۔

دارا نے خود سفینۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ وہ ۱۰۲۲ ہجری میں ساگر مال کے کنارے اجیر کے نواح میں پیدا ہوا۔ شاہ جہاں کے پہلے دونوں بچے حور النساء بیگم اور جہاں آرا بیگم لڑکیاں تھیں شاہ جہاں نے خواجہ عین الدین چشتی کی درگاہ میں جا کر سجدے کیے، نیتیں مانیں، تو چوبیس سال کی عمر میں فرزند عطا ہوا جو تاریخ میں داراشکوہ کے نام سے مشہور ہوا۔

داراشکوہ کی زندگی کے ابتدائی حالات بہت کم ملتے ہیں۔ وہ شاہ جہاں کا بہت چھٹیا اور لاڈلا بیٹا تھا اس لیے اس نے خود سے اسے الگ نہ کیا۔ شجاع، اورنگ زیب اور مراد صوبوں کے گورنر بنائے گئے۔ انھیں نظم و نسق کا تجربہ ہوا۔ جنگ آزمائی میں وہ ماہر ہوئے لیکن دارا محض شاہی دربار کی زینت بنا رہا۔ اسے الہ آباد اور پنجاب کا گورنر بنایا بھی گیا مگر اس نے اپنے نمائندوں کے ذریعہ سے حکومت کی اور شاہی دربار کو نہ چھوڑا۔ شاہ جہاں ۱۰۶۴ ہجری میں بیمار پڑا اس کے بعد بھائیوں میں تخت حاصل کرنے کے لیے خانہ جنگی شروع ہوئی۔ شاید اسی سے متاثر ہو کر

سرد کے لکھا ہے۔

یاراں چہ قدر راہ دورنگی دارند مصحف بہ نعل دین فرنگی دارند
پیوستہ بہم چو مہر ہائے شطرنج در دل ہمہ فکر حسانہ جنگی دارند
شجاع نے دارا کے بیٹے سلمان شکوہ کو شکست دی۔ اور نگ زیب اور مراد کی فوجوں نے دارا کو۔ دارا ادھر ادھر بھاگتا پھرا۔ مصائب کے اس دور میں اس کی محبوب ترین بیوی نادرہ گیم کا انتقال ہو گیا۔ ملک جیون نے اسے گرفتار کر کے اور نگ زیب کے حوالے کر دیا۔ علماء کی ایک شرعی عدالت نے اسے اور نگ زیب کے حسب خواہش کفر کے الزام میں سزائے موت دی۔

دارا صوفی منش آدمی تھا۔ اس کی تصنیفات سے اس کی اسلام دوستی اور عالی ظرفی ظاہر ہے۔ اس کے ذہنی رجحانات کو جاننے کے لیے اس کی تصانیف کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔

اپنی عمر کے پچیسویں سال ۱۰۲۹ ہجری میں دارا نے سفینۃ الاولیاء لکھی۔ اس کتاب میں حضرت رسول کریمؐ ان کے خلفائے راشدین، ائمہ طاہرین اور مختلف اولیائے کرام کے سلسلوں کا تذکرہ ہے۔

دوسری کتاب سکنۃ الاولیاء، مشہور صوفی درویش حضرت ریاں میر کے حالات پر مشتمل ہے جو کہ دارا کے پیر و مرشد ملا شاہ کے روحانی پیشوا تھے۔ اس کتاب میں تصوف کے مسائل مثلاً سماع اور رویت پر سیر حاصل بحث ہے۔

تیسری کتاب کا نام ہے رسالہ حق نما۔ یہ روحانی مارچ اور ان تک پہنچنے کے باب میں ہے۔ چوتھی کتاب ہے حنات العارفین یہ عالم جذب دستی میں صوفیاء کے ارشادات پر مشتمل ہے۔

مجمع البحرین - دارا نے ۴۲ سال کی عمر میں تصنیف کیا۔ ہندو مذہب اور اسلام کو قریب تر لانے اور ان کی جدا گانہ عظمت کو سمجھنے کی خاطر یہ کتاب لکھی گئی لیکن کہا جاتا ہے کہ یہی تصنیف دارا کے خلاف مقدسے کے دوران میں علماء کے سامنے پیش کی گئی۔

سیر اکبر - اپنشدوں کے پچاس ابواب کا فارسی ترجمہ۔

بھگوت گیتا - فارسی ترجمہ

ان کے علاوہ کچھ متفرق تصنیفات ہیں۔ شعراء کی ایک بیاض، خطوط، دیباچہ، مرقع، رسالہ معارف وغیرہ۔

رسالہ معارف میں مشائخ عہد کے نام خطوط ہیں جن میں مسائل تصوف سے متعلق استفسارات ہیں۔ دارا کے حالات زندگی اور اس کی تصانیف سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ درویش طبع اور صوفی منش شہزادہ تھا۔ ہندوؤں کی کتب مقدسہ کا اس نے گہرا مطالعہ کیا تھا اور اسے ان سے محبت تھی۔ اس کا یہی صلح کل سلک اس کی موت کا باعث بنا۔

سرمد جب دلی پہنچا تو دارا سے اس کا قرب ہوا۔ دارا نے اسے ایک خط میں پیر و مرشد لکھا ہے۔ دلائل کے خط کا ترجمہ اس کا جواب ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

دارا بنام سرمد

پیر و مرشد۔ ہر روز میں آپ کی زیارت کا قصد کرتا ہوں لیکن یہ پورا نہیں ہوتا۔ اگر میں واقعی میں ہوں تو میرا شدید ارادہ بامراد کیوں نہیں۔ اگر میں کچھ نہیں تو میرا تصور ہی کیا۔ اگر قتل حسین رضائے الہی سے ہوا تو یزید بیچ میں کون ہے اگر یہ خدا کی مرضی سے نہیں ہوا تو پھر اس کے

کیا معنی ہیں کہ خدا جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے اور ایسا ہی حکم دیتا ہے۔ پیغمبرِ عظیم کفار کے خلاف لشکر کشی کرتے تھے لیکن اسلام کی فوج کو شکست کا منہ دیکھنا پڑتا تھا۔ (کیوں)۔ علماء کہتے ہیں کہ یہ ایک درس تھا۔ جو لوگ اپنی ذات ہی سے کامل ہیں، ان کے لیے درس کی کیا ضرورت ہے۔

سرد کا جواب

”میرے عزیز دوست

”جو کچھ ہم نے پڑھا بھول گئے سوائے ذکرِ محبوب جسے ہم بار بار کرتے ہیں“

سرد کے جواب پر یہ شعر صادق آتا ہے۔

ماقتضیٰ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم

از ما بجز حکایتِ ہر و وفا پیرس

دارا کے قتل کے بعد اورنگ زیب کو دارا کے ”پیر و مرشد“ کو راستے سے دور کرنے کی سوجھی۔ اعتماد خاں المعروف بہ ملا قوی کو اس کے لیے آمادہ کیا گیا۔ وہ علماء کو بھڑکاتا پھرا علماء میں اتنی جرات کہاں تھی کہ شاہِ وقت کی مخالفت کرتے۔ ادھر سرد کی مقبولیت عام ہو رہی تھی۔ لوگ اس مجذوب کے گرد جمع ہوتے اور ایک صوفی کامل کی طرح اس کا احترام کرتے۔

درباری علماء کو جمع کیا گیا۔ انھوں نے سرد کو کافر قرار دینے کی غرض سے اس پر مندرجہ ذیل الزام لگائے۔

۱۔ سرمد ننگا رہتا تھا اور یہ اسلام کے بنیادی اصول کے خلاف ہے۔

۲۔ سرمد کلمہ طیبہ پورا نہیں پڑھتا تھا بلکہ صرف لا الہ کہتا تھا۔ اس کا صاف مطلب خدا کی

ہستی سے انکار ہے۔

۳۔ سرمد معراج کا منکر تھا۔ اس ضمن میں اس کی یہ رباعی پیش کی گئی۔

ہر کس کہ حقیقتش باور شد او پہن ترا ز سپہر پہنا در شد
ملا گوید کہ بر فلک شد احمد سرمد گوید فلک با حمد در شد
الزام برہنگی کے جواب میں سرمد نے کہا کہ طریق زندگی یا لباس پر کوئی شرعی پابندی نہیں ہے۔
بڑھاپے میں بنی اسرائیل کے پیغمبر حضرت اشعیا بھی تنگے پھرا کرتے تھے۔ ملا قومی علماء کی عدالت کے
صدر تھے اور جب انھوں نے پوچھا کہ داراشکوہ کے بادشاہ بننے کی پیش گوئی درست کیوں نہیں ہوئی تو سرمد
نے جواب دیا: شیطان قوی است۔

برہنگی کے جواز میں سرمد کے کلام میں بہت اشارے ہیں۔

خوش بالائے کردہ چنین پست مرا چشمے بد و جام برود از دست مرا
او در بغل من است و من در طلبش دزدے عجیبے برہنہ کرد دست مرا

آن کس کہ ترا تاج بھانبا نی داد مارا ہمہ اسباب پریشانی داد
پوشاند لباس ہر کرا عیبی دید بے عیبان را لباس عریانی داد
عجب اتفاق ہے کہ سرمد کے ہم عصر مشہور انگریزی شاعر ملٹن نے بھی کچھ اسی قسم کے خیالات کا
اظہار کیا ہے۔

Dishonest shame

Of Natures Works honour dishonourable,

Sin-bred how have ye troubled all mankind,
with shows instead,

Paradise Lost IV 313-316

اس کے علاوہ ایک اور خوبصورت رباعی سرمد نے کہی ہے۔
سرمد مارا بعش رسوا کردند سرست و سراسیمہ و شیدا کردند
عریانی تن بود غبارِ رہِ دوست آں نیز بہ تیغ از سرِ مادا کردند
اپنی عریانی پر اسے ناز بھی تھا۔

گشت چہل سال کہ پوشیدمش
کہنہ نہ شد جامہٴ عسریانم
دوسرے الزام کے جواب میں اس نے کہا کہ وہ ابھی نفی کی منزل میں ہے اور دیدار حق سے
محروم۔ اللہ کا دیدار ہونے پر وہ پورا کلمہ پڑھے گا۔ یہ ایک آزاد خیال مجذوب کا نعرہٴ متانہ تھا جسے
ملاؤں نے کفر قرار دیا۔ اس کی آزاد خیالی اس کے اس شعر سے ظاہر ہے۔
روباہ بود حرص و ہوا در نظرم
در بیشہ اندیشہ پلنگم ہر دم
اسکی خدا پرستی اس کے ذیل کے ارشادات سے ظاہر ہے۔

یارب ز کرم بخش تقصیر مرا مقبول بکن نالہٴ شبگیر مرا
ع از معصیت ہمیش بود فضل ترا

گناہِ مدامہ خدوں کر کے میں نے چھوڑ دئے۔

ع ہر لحظہ خیال فکر و عقبی ہنراست

ط ہر خند کہ از جرم فزون احسان است

س آن ذات بجز مصدر شق نیست ذات مستقیمہ کہ بجز مطلق نیست

ح من جرم خود و لطف تو دارم بہ نظر

تیسرا الزام تو بے بنیاد ہے۔ سرمد نے اپنی رباعی میں حضرت محمد کو خراج عقیدت پیش

یا ہے۔

ہر کس کہ سر حقیقتش باور شد اد پہن ترا ز سپہر پہناور شد

نما گوید کہ بر فلک شد احمد سرمد گوید فلک بہ احمد در شد

س نے محمد کے لیے کہا ہے۔ اد پہن ترا ز سپہر پہناور شد۔ صوفیاء کے نزدیک فلک اور زمین

س کوئی فرق نہیں۔ وحدت الوجود کے قائل ذات حق کا وجود ہر جگہ اور یکساں جانتے ہیں۔ اس

غیر گسترانہ رباعی کو فتویٰ دینے والوں نے بڑھا چڑھا کر پیش کیا۔ اور سرمد کو واجب القتل

صہرایا۔ دارالافتاء کے باب میں مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں۔

”اسلام کے اس تیرہ سو برس کے عرصے میں نقباء کا قلم ہمیشہ تیغ بے نیام رہا ہے اور

ہزاروں حق پرستوں کا خون ان کے فتوؤں کا دامن گیر رہا ہے۔ اسلام کی تاریخ کو خواہ کہیں

سے پڑھو سیکڑوں مثالیں کہتی ہیں کہ جب بادشاہ خوزیری پر آتا تھا تو دارالافتاء کا قلم اور سپہ سالار

تیغ دونوں یکساں طور پر کام دیتے تھے۔ صوفیاء اور ارباب باطن پر منحصر نہیں، علمائے شریعت

س سے جو بھی نکتہ میں اسرار حقیقت کے قریب ہوئے، نقباء کے ہاتھوں انھیں مصیبتیں اٹھانی

پڑیں اور بالآخر سرفے کی نجات پائی۔ سرفہ بھی اسی تین کا شہید ہے۔

چوں می رود نظیری خونیں کفن بحشر

خلقے فغاں کنند کہ اس داد خواہ کیست

صاحب دستان مذاہب نے سرفہ کی اس رباعی کو مدح رسول عربی کے ضمن میں پیش کیا ہے۔

اے از رخ تو شگفتہ خاطر گلِ سُرخ باطن ہمہ خون دل و ظاہر گلِ سُرخ

ز اں دید آمدی زیوسف کہ بباغ اول گلِ زرد آمد و آخر گلِ سُرخ

جامع مسجد کے سامنے ایک چوبترہ قتل گاہ کے طور پر تیار کیا گیا۔ سرفہ قلعے سے قتل گاہ تک الہانہ انداز

میں رباعیاں پڑھتا ہوا آیا۔ اس کے چہرے پر ایک جلال تھا۔ لوگوں کا ایک جم غفیر تھا۔ بادشاہ کی مرضی

بھی یہی تھی کہ عوام سرفہ کے انجام کو دیکھیں اور بادشاہ وقت کی مخالفت سے باز آئیں۔

جلاد نے سرفہ کے چہرے پر کپڑا ڈالنے کی کوشش کی لیکن سرفہ نے اس سے انکار کیا اور

جلاد سے اپنا کام کرنے کو کہا اور روایت ہے کہ یہ شعر پڑھا۔

شوقے شد از خوابِ عدم چشمِ کشودیم دیدم کہ باقیست شبِ فتنہ غنودیم

لے غنودیم والا شعر سرفہ کا نہیں۔ میرا خیال ہے کہ غزالی شہیدی کا ہے۔ اس کے متعلق ایک حکایت بعض کتابوں میں درج

ہے جو میرے نزدیک اختراعی ہے۔ واضح رہے کہ کتاب کو دھسپ بنانے کی خواہش یعنی عام ہے حقیقت سے محبت اتنی عام نہیں

متعدد اشعاروں کے متعلق فارسی تذکروں میں پڑھا گیا ہے کہ قتل کیے جانے کے وقت ان کی زبان سے کیا نکلا (عموماً شعر حالانکہ

جن حالات میں مقتول ہوئے تھے اس کی کوئی صورت ہی نہ تھی کہ کوئی ایسا شخص وہاں موجود ہو جو اسے یاد رکھے اور بعد کو دوسروں

سے کہے۔ اسی پر موقوف نہیں۔ میرا خیال ہے کہ فارسی میں اشعار سے متعلق جو حکایات ملتی ہیں۔ ان میں سے کم از کم نصفی اختراعی ہیں

عمریت کہ آوازہ منصور کہن شد من از سرِ جلوہ دہم دار و سن دا

غالباً سرفہ کا شعر ہے (قاسمی عبدودود)

اور نگ زیب کے میزبانی قاتل خاں رازی نے لکھا ہے کہ قتل سے پہلے سرد نے یہ شعر پڑھا۔

عریانی تن بود غبارِ بد دوست آن نیز بہ تیغ از سراوا کر دند

ایک حکایت یہ ہے کہ قتل سے پہلے سرد کے ایک دوست شاہ عبداللہ نے سرد سے کہا کہ اب بھی جان بچ سکتی ہے، برہنگی کو ترک کر دو اور پورا کلمہ پڑھو۔ سرد کو موت کا کوئی خوف نہ تھا۔ اس نے اس کے جواب میں صرف یہ شعر پڑھا۔

عمریت کہ آوازہ منصور کہن شد

من از سر نو جلوه دہم دار و رسن را

سرد جائے قتل پر ہی دفن ہوا۔ اس کا مزار اسی زمانے میں زیارت گاہ بن گیا تھا۔ آج تک لوگ اس کے مزار پر عقیدت کے پھول چڑھاتے ہیں۔ والد داغستانی نے اس کے مزار پر لوگوں کو پھول چڑھاتے خود دیکھا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "منصور ثانی کی قبر پر جو ہری ہری گھاس اُگی ہے وہ کبھی خشک نہیں ہو پاتی"۔

✓ خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

خیام کی مقبولیت کس پر آشکار نہیں۔ وہ ایک حکیم زمانہ تھا لیکن بہت آزاد خیال۔ اس کی

یہ رباعی زباں زدِ عوام ہے۔

ناکر وہ گناہ در جہاں یکست بگو ہر کس کہ گنہ نہ کرد چوں زیست بگو

من بد کنم و تو بد مکافات دہی پس فرق میان من و تو چیست بگو

لیکن سرد مورد الزام کفر ہونے کے باوجود اللہ سے ہمہری نہیں کرتا، بلکہ طالبِ عفو ہے۔

ایں باعثِ بخشگی ام چسیت بگو تا چند بہ محنت بکنم زیست بگو
 ہر چند بدم از کرم خویش بخشش غیر از تو بہن رحم کند کیست بگو
 ختام نے خدا کی شان میں بہت کچھ کہلے لیکن اسے کسی نے گردن زدنی قرار نہ دیا کیونکہ جو کچھ اس
 نے کہا محض سخن گستاخانہ تھا۔

ابریق می مرا شکستی ربی بر من در عیش را بہ بستی ربی
 من می خورم و تو میکنی بدستی خاکم بدہن مگر کہ مستی ربی
 اظہار کفر صوفیاء کے یہاں عام ملکہ ہے۔ شیخ ابوعلی سینا ^۱ سے یہ رباعی منسوب ہے۔

کفر چو منی گزاف آسان نہ بود محکم تر از ایمان من ایمان نہ بود
 در دہریگی چو من و انہم کاسر پس در ہمہ دہریک مسلمان نہ بود
 ختام نے اہل دل کو کافر کہنے والوں کے باب میں کہا ہے۔

با این دور نادان کہ چنین می دانند از جہل کہ دانای جہان ایشانند
 خرباش کہ این جماعت از فرطِ خرمی ہر کہ نہ خست کافرش میخوانند
 گلشن راز میں بت پرستی کی توجیہ یوں کی گئی ہے۔

بت اینجا منظرِ عشق است و وحدت بود ز تار بستن عقدِ خدمت
 چو اشیا ہست ہستی را مظاہر از انجملہ یکے بت باشد آخر
 نگو اندیشہ کن اے مردِ عاقل کہ بت از ردئے ہستی نیست باطل
 وجود آنجا کہ باشد محض خبر است اگر شریعت درمے اوز غیر است

مسلمان گردانستی کہ بت چیت بدانستی کہ دیں در بت پرستی ست
 دگر شرک ز بت آگاہ گشتے کجا در دین خود گمراہ گشتے
 گلشن راز پر ہی موقوف نہیں، اس قسم کے ارشادات صوفیاء کے یہاں عام ملتے ہیں
 شعراء نے تو جگہ جگہ انھیں خیالات کا اظہار کیا ہے۔
 خسرو کا کہنا ہے۔

خلق می گوید کہ خسرو بت پرستی می کند آئے آئے می کنم از خلق عالم کافریت
 یہی بات ستر نے کہہ دی تو کون سا جرم کیا
 سرمد کہ ز جام عشق مستش کر دند بالا کر دند و باز پستش کر دند
 می خواست خدا پرستی و ہشیاری مستش کر دند و بت پرستش کر دند
 ستر زہد ریائی کا قائل نہ تھا۔ اس کے خلاف اس نے قدم قدم پر اپنے خیالات
 کا اظہار کیا ہے ع

از خرقة بکن کنار صد فتنہ در دست
 با خرقة مشو یا رعنلط گیر غلط
 سر رشته مہر یار در دست بیار
 ایں سبھ و زنا رعنلط گیر غلط
 حافظ بھی زاہدان ریا کار پر ضرب لگاتا ہے

واعظاں کیں جلوہ بد محراب و منبر می کنند
 چوں بخلوت می روند آں کار دیگر می کنند

۵ بی بفروش دلّی ما کہ زین بہتر نمی آرد

بیا بمیکدہ و چہرہ ارغوانی کن مرو بہ صنو معہ کا نجایا کارانند
محمود شبستری کے ارشادات میں سے ہے۔

خواباتی شدن از خود رہا نیست خودی کفر است اگر خود پار سائست

سرد مجذوب تھا۔ عالم حیرت میں تھا۔ مجذوب جب عالم حیرت میں پہنچتا ہے تو اس پر جذبہ
نفی طاری ہو جاتا ہے۔ اُسے اپنی سدھ بدھ بھی نہیں رہتی۔ وہ دین کا نہ دنیا کا۔ شیخ عطار نے
مشنوی منطق الطیر میں عارف کامل بننے کے لیے سات مقام مقرر کیے ہیں جن میں چھٹا مقام 'مقام
حیرت' ہے اس کے باب میں مذکور ہے۔

مرد حیراں چوں رسد ایں جای لگا	در تحیر ماند و گم کردہ راہ
گم شود در راہ حیرت محو و مات	بے خبر از خود بود و ز کائنات
ہر کہ زد توحید بر جانش رقم	جلہ گرد و گم از داو نیز ہم
گر بد گویند ہستی یا نہ ای	نمستی گوئی کہ ہستی یا نہ ای
در میانی یا برونی از میاں	بر کناری یا نہانی یا عیاں
فانی یا باقی یا ہر دوئی	یا نہ ای ہر دو توئی یا نہ توئی

گوید اصلا می ندانم چہیز من
وین ندانم ہم ندانم نیسز من
اس مقام حیرت کے باب میں خواجہ بختیار الدین کا کی کا قول ہے۔

دانی کہ کجاست کفر و ایمان یحسان بیگانہ و آشنا از انجا ترسان
 آنجا حیرت است اندر حیرت با این ہمہ تہر گاہی گاہی احسان
 سرد بے چارہ سیاست کا شکار ہو گیا۔ اُس صوفی صافی طینت کے مقام حیرت کو نظر انداز
 کرنے والے اپنی اپنی خود غرضیوں میں مبتلا تھے۔ قومی یک جہتی کا یہ علمبردار اگر آج زندہ ہوتا تو
 لوگ اُس کی پرستش کرتے۔

اُسے کافر قرار دینے والوں نے یہ نہ دیکھا کہ خود اس کا قول ہے۔

سرد بہ جہان بسی نکو نام شدی

از مذہب کفر سوئے اسلام شدی

اس کے صلح کل مسلک اور آزاد خیالی نے اُس سے کہلوایا۔

در کعبہ دبت خانہ نگ اوشد دبت اوشد

یک جا حجر الاسود یک جا بت ہندو شد

بت پرستم کا فرم از اہل ایمان یتیم سوئے مسجدی روم انا مسلمان یتیم

سرد کے کچھ حالات ایک اور تذکرے میں ملتے ہیں وہ ذیل میں درج ہیں۔

تذکرہ طاہر نصیر آبادی (طبع ایران)

جو اوائل ماہ دوازہمِ ہجریہ میں مکمل ہوا

سعید امی سرمد تخلص گویا کاشیت یہود و بود و مسلمان شد طبعش خالی از لطف تمیست اما سودائی داشتہ

بہند رفتہ سموغ شد کہ کشف عورت کردہ برہنہ میگشت پادشاہ اور اطلب داشتہ تکلیف لباس کرد۔ قبول نہ نوودہ

مضیان فتویٰ بقتلش دادند پادشاه ملا عبد القوی را که گویا از مادر، الهراست فرستاد که حال او را معلوم کند
 همین که میآید با او میگوید که چرا این روش سر میکنی و برهنه میباشی او میگوید که شیطان قویست و این رباعی
 را میگوید - رباعی

خوش بالائی کرده چنین پست مرا چشمی بد و جام برده از دست مرا
 او در بغل منست و من در طلبش دزد و مجبی بر من سر گز دست مرا
 بعد از این شنیدن این رباعی ملا عبد القوی خدمت پادشاه آمد و تجویز قتل او میکنند کی از حلاخواران مأمور
 میشود که او را بقتل رسانند همین که از دور پیدا میشود میگوید که این چه چاره است که دیگر بکار نمیکنی و بر سر پای می نشیند که
 گر نش را میزنند غرض که بے نشه بنود چرا که عاشق پسر اچھے شده بقوت جذب محبت او را بطرف خود کشیده چنانکه پدر و مادر
 اسباب بسیار را گذاشته با اتفاق او خاکستر نشین شود. بعد از قتل سید را گویا بسهل مدتی او هم فوت شده مشهور است که
 شاهزاده آراشکوه تعریف او میکرد و شاه جهان فرمود که بیک گز که پاس دهان خلق را میتوان بست شعرش اینست -

ای گل شوخ دور روزی بجای باش که سرو شد جوانی و ندانست که بازار کجاست
 گرم عتاب چون شود دیده پر شمش از رخس پرده کشند مرد ما چون شود آفتاب گرم
 همچو دور افتاده کاخو بسیار خود رسد دست تا در گردن من کرد تیغش خون گریست
 رباعی: تنها کو چیت آفت برگ امید گلخن به ازان گلو که این دود کشید
 از تنها که نفع توان داشت گمان از دود اگر خانه توان کرد سفید
 رباعی: روزی که قضا حسن ترا می بخشد ایزد بتر از دئی قدر با خورشید
 این بسکه گراں بود نخبید ز حبا داں بسکه سبک بود با فلاک رسید



از جرمِ فرون یافتہ ام فضل ترا این شد سببِ معصیتِ بیش مرا
ہر چند گنہ بیش کرم بیش تراست دیدم ہمہ جا و آزمودم ہمہ را

ہے میرے گناہوں سے ترا فضل سوا یہ معصیتِ بیش کا باعث بھی ہوا
میں میرے گنہ بیش کرم ان سے ہو بیش دیکھا ہر جا یہ آزمایا ہر جا



از کارِ جہان عقدہ کشودم ہمہ را در محنت و اندوہ رہودم ہمہ را
حق دانی و انصاف نہ دیدم ز کسی دیدم ہمہ را و آزمودم ہمہ را

مشکل سے ہر ایک کو چھڑایا میں نے دکھ درد ہر ایک کا ٹایا میں نے
لیکن نظر آیا نہیں انصاف کہیں دیکھا میں نے یہ آزمایا میں نے

در بادِ یے تجربہ یارب ہمہ جا افتاد سروکار بہ زشت و زیبا
غیر از تو کسی نہ گشت فریاد رسم دیدم ہمہ را و آزمودم ہمہ را

طے کر یا تجربے کا یارب صحرا ہر ایک بھلے بُرے کو جانچا پرکھا
فریاد ترے سوا کسی نے نہ سُنی ہر ایک کو آزما کے بس دیکھ لیا

ای جلوہ گر نہان عیان شو بدر آ در فکرِ جستیم کہ ہستی تو کجا
خواہم کہ در آغوش و کنارت گیرم تا چند تو در پردہ نمائی خود را

اے پردہ نشین پردے سے باہر ہو عیاں ڈھونڈیں تجھے کب تک ترا سکن ہو کہاں
خواہش یہ ہے آغوش میں لے لوں تجھ کو کب تک تو رہے گا مری نظروں کے کہاں

۵

شادی بود از دین و ز دنیا ہمہ را از ہر دو نجات دہ کہ شادیت مرا
 آشفۃ خود بکن کہ آنم ہوس است از پردہ برون بیاء و خود را بنما
 خوش دین سے کوئی، کوئی دنیا پہ فدا دونوں سے نجات ہو یہ مسلک ہے مرا
 شیدا ہوں ترا مجھ کو ہوس ہے تو یہی پردے سے نکل کر مجھے جلوہ تو دکھا

۶

مشہور شدی بہ دل ربائی ہمہ جا بی مثل شدی دہ آشنائی ہمہ جا
 من عاشق این طور تو ام می بینم خود را نہ نمائی و نمائی ہمہ جا
 مشہور جہاں ہے دل ربائی تیری مقبول جہاں ہے آشنائی تیری
 لیکن میرا دل فدا اس انداز پہ ہے ہر پردے میں ہے جلوہ نمائی تیری

ہر نیک و بدی کہ ہست دیدم ہمہ را ہر خار و گلی کہ بود چیدم ہمہ را
آمد بہ نظر عیار ہر کس کم و بیش ہر سنگ محک جو زرشیدم ہمہ را

ہر کافر و دیندار کو دیکھا میں نے ہر ایک گل و خار کو دیکھا میں نے
ہر ایک میں کچھ نہ کچھ نظر آیا کھوٹ ہر شخص کے کردار کو دیکھا میں نے

از بادِ صبا خواست دلم بوی تڑا چشم ز چین جست گلِ روی تڑا
آخر نہ ازین دو چار گشتم نہ ازان اندیشہ نشان داد رہِ کوئی تڑا

دل کو تری بولی صبا میں پنہاں گلشن میں ملا آنکھ کو روئے خنداں
لیکن نہ ہوئی تجھ سے ملاقات کہیں ہاں فکر سے پایا ترے کوچے کا نشان

— ۹ —

کر دی تو علم بد لر بانی خود را ہم در فن ہر د آشنائی خود را
 این دیدہ کہ بنیاست تماشائی تست ہر خطہ بصد رنگ نمائی خود را

دنیا میں علم ہے دلربائی تیری مشہور ہے ہر د آشنائی تیری
 کیوں دیدہ بینا نہ تماشائی ہو سو رنگ کی ہے جلوہ نمائی تیری

— ۱۰ —

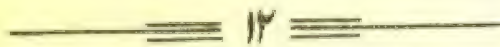
ہر جا کہ نیابی تو نشانے ز جفا با ہر و محبت گل و بوئی ز وفا
 از خلق و ز خلق خود ندانی ہرگز آن ہر دو بدست دوست گفتم بخدا

دنیا میں کہاں نہیں نشانات جفا گل ہر و محبت کے نہ ہے بوئے وفا
 سمجھے گی نہ تیری فطرت اس کے اسباب ان باتوں کا مالک ہے فقط ایک خدا



یارِ بزمِ بخشِ تقصیرِ مرا مقبولِ بجنِ نالہِ شبِ گیرِ مرا
ما پر ز گناہِ ماجرا اُستِ عجیب لطفِ تو کند چارہٴ تدبیرِ مرا

بخشش ہے ترا فرضِ تو تقصیرِ مرا مقبول تو ہو نالہِ شبِ گیرِ مرا
حیرت ہے کہ میں تو ہوں سراپا عصیاں اس پر بھی ہے تو چارہٴ تدبیرِ مرا



از صحبتِ ہمدان بہ باغِ و صحرا ذوقِ سخنِ بود و ہوائیِ مینا
آخرِ سخنِ ماند و عزیزانِ رفتند مینائیِ فلکِ فلکِ اورا از پا

احباب سے تھی رونقِ باغِ و صحرا تھا ذوقِ سخن اور ہوائے مینا
احباب تو اٹھ گئے رہی یاد ہی یاد اس بزم کو آسماں نے تاراج کیا

باز آ باز آ ز فکرِ باطل باز آ از وہم و خیالِ خام لے دل باز آ
خوشنود مشورِ فکرِ دنیا ہرگز نے وصل بماند و نہ واصل باز آ

دنیا کے یہ انکار ہیں باطل بے سود تیرا یہ خیالِ خام لے دل بے سود
دنیا کے خیالات میں خوشنود نہ ہو بے کار ہے وصل اور واصل بے سود

مرگ است درین باد یہ و نبالِ ترا این است مالِ کار از مالِ ترا
اولِ محنت و آخرِ شِ حُسر است این مالِ کند ہمیشہ پا مالِ ترا

ہے موت ہی انجامِ تریِ عشرت کا ایسا ہی مال ہے تریِ دولت کا
اولِ محنت ہے اور آخرِ حُسر یہ مال تو باعثِ تریِ محبت کا

گہ مہر و وفا کند گہی ناز و جفا ہر لحظہ بصد رنگ نماید خود را
آغوشِ نظر کشا کہ آید بہ کنار یک گام نہ گردوز تو پیوستہ جدا

ہے مہر و وفا ہم پہ کبھی ناز و جفا ہر لحظہ ہے سوز رنگ میں وہ جلوہ نما
آغوشِ نظر کھول۔ پٹ جا اس سے ہوتا نہیں وہ ایک قدم تجھ سے جدا

از معصیتِ بیش بود فضل ترا ہر لحظہ بخود حساب دارم ہمہ جا
ہر چند کہ سرتا بقدم عصیانم از بخشش تو نیست فرون جرم مرا

ہے میرے گناہوں سے ترا فضل سوا ہر لحظہ کیا میں نے یہی انداز
ہر چند گناہوں کا ہوں پست لیکن افروں تری بخشش سے نہیں جرم مرا

— ۱۷ —

مگر متقیم کار بیار است مرا با سحر و زنا چہ کار است مرا
این خرّہ پشیمینہ کہ صد فتنہ در دست بازش نہ بکشم بدوش عار است مرا

درویش ہوں درویش مجھے یار سے کام مجھ کو نہیں کچھ سحر و زنا سے کام
اس خرّہ پشیمینہ میں فتنے ہیں نہاں فتنے سے مجھے فرض نہ عیار سے کام

— ۱۸ —

ہر چند غرور دستگاہ است این جا بر خود پیچیدین عروج جاہ است این جا
در ساز شکستگی حضورِ دگر است از سرمہ شدن سنگ گاہ است این جا

دنیا میں غرورِ مال و دولت ہی بہت بے چین بشر کو پاسِ حشمت ہی بہت
ہے سازِ شکستہ کی مگر اور ہی شان اک سرمہ شدہ سنگ کی عظمت ہی بہت

خوش بالائی کردہ چین پست مرا چشمی بدو جام بردہ از دست مرا
 او در بغل من است و من در طلبش دزد عجیبی برہنہ کر دست مرا
 موجب مری پستی کا ہے اک خوش بالا مسخو مجھے دیدہ مے گوں سے کیا
 وہ مری بغل میں ہی مجھے اس کی طلب اک دزد نے کر دیا ہے مجھ کو ننگا

آسودہ دمی ز خود پسندی مطلب زین ہمت پست خود بند می مطلب
 سودائی جہان سود ندارد چندان نقصان بہ پذیر سود مند می مطلب
 ہے باعث رنج خود پسندی کی طلب بے وصلگی اور بند می کی طلب
 نقصان ہی نقصان ہو اس سودے میں بے سود ہے اس میں سود مند می کی طلب

— ۲۱ —

عمری کہ شد است صرف در لہو و لعب بی پرش اگر عفو کند نیست عجب
کے زشتی افعال در آرد بہ نظر آن را کہ کرم بود فزوں تر ز غضب

جس عمر کا مقصود رہا لہو و لعب بے پرش اسے عفو کرے کیا ہے عجب
اعمالِ زہوں کی اس کو پروا کیا ہے ہیں جس کی عنایات بہت کم ہے غضب

— ۲۲ —

کے جرم من و فضل تو آید بحساب این ہم چو حسابیت کہ ناید بحساب
سرشتہ این در کف اندیشہ کیست بے حد و حساب کے بیاید بحساب

عصیاں کی ہے گنتی نہ کرم کی گنتی ممکن ہی نہیں کسی سے ایسی گنتی
جو چیز ہو ان گنت اسے کون گنے بے حد و حساب کی نہ ہو گی گنتی

از ساقی کوثر مئی گلفام طلب در پیری و ضعف جام آرام طلب
تا چند گرفتار بہ دنیا با شتی از فضل خدا نجات زین دام طلب

کر ساقی کوثر سے تو اس مے کی طلب بنختے تجھے پیری میں جو تسکین و طرب
کب تک تو یہے گایوں اسیر دنیا بے فضل خدا تیری رہائی نہیں اب

اے بے خبر از ہستی خود ہجو کتاب در جلد تو آیات الہی بہ حجاب
یعنی ز تو حق پدید و تو از اثرش آگاہ نئی پوشیدہ از بوئی گلاب

ہستی سے ہے بے خبر تو مانند کتاب آیات الہی کا ہے خود تو ہی حجاب
حق تجھ میں ہے تو اس سے نہیں ہر واقعہ شیشے کو خبر کہاں کہ ہے مجھ میں گلاب

سرد تو ز خلق پیچ یاری مطلب از شاخ برہنہ سایہ داری مطلب
عزت ز قناعت است و خواری ز طمع با عزت خویش باش خواری مطلب

سرد ہے تجھے خلق سے یاری کی طلب بے برگ شجر سے سایہ داری کی طلب
عزت ہے قناعت سے، طمع سے خواری عزت چاہے تو کر نہ خواری کی طلب

ای نفس ستمگار سراپا حسرت جز شکر ترا نیست ہزاران نعمت
قانع نشدی گاہ نہ گشتی خرمند دنیا نہ بود بقدر طول املت

اے نفسِ فرومایہ سراپا لعنت کر شکر کہ ہے شکر سراپا نعمت
قانع نہ ہوا کبھی نہ تو شاد ہوا دولت نہیں دنیا میں بقدر حسرت

ابن خرقہ پشیمنے کہ زنار دروست مکر است و ریافتہ بسیار دروست
بر دوش مکش دست بکش تا نکستی این بار ندامت کہ صد آزار دروست

یہ خرقہ پشیمنے ہے جس میں زنار شر اس میں ہیں اتنے کہ نہیں جن کا شمار
اس کو نہ کبھی نہیب بدن کرے دوست ہیں اس میں ندامت کے ہزاروں آزار

سز جہمت و جانفش در دست کسی است تیریت ولی کافش در دست کسی است
می خواست کہ آدم شدہ از دام جہد گاومی شد و یسمانش در دست کسی است

سز ہے ترا مالک جاں اور کوئی تو تیر ہے لیکن ہے کہاں اور کوئی
تو گائے ہے رتی ہے کسی اور کے ہاتھ تو اسپ جہندہ ہے عیاں اور کوئی

ہر جا کہ گلِ ایاغ و جوشِ چین است اوسکن دل خوش است مارا وطن است
گر بادہ پرست کوئی اور احق است و ز اہدِ متقی بگوئی سخن است

جو ساغر گل اور چین کا ہے مقام اس مسکنِ زیبا ہی میں تیرا ہے قیام
حق ہے جو کہے کوئی مجھے بادہ پرست سمجھے کوئی پارِ ساتو ہے اس میں کلام

دنیا طلبان را کہ غم دینار است بی مہرئی شان بیکد گر بسیار است
از عقرب و مار پیچ اندیشہ ممکن زین قوم حذر کن کہ نیش و خار است

وہ لوگ ہے مرغوب جنہیں دولت و زر بے مہر ہیں ان لوگوں سے رغبت ہی نہ کر
بچھو ہو کہ سانپ اس سے ڈرنا بے سود جو نیش ہے جو خار ہے اس قوم سے ڈر

زاہد تو بخور بادہ کہ بسیار نکوست از خرقہ بکن کنار صد فتنہ در دست
بی شبہ حلال است بگوئی تو حرام کیفیت این ہر کہ بیاید ہمہ اوست

زاہد! مے تازہ میں خوشی کا ہے اثر یہ خرقہ اتار دے کہ فتنوں کا ہے گھر
کیفیتیں اس میں تو ہمہ اوست کی ہیں تو اس کو حرام کہہ کے تو ہیں نہ کر

اندیشہ مال و جاہ دنیا غلط است این وہم و خیال و فکر بی جا غلط است
در خانہ تن و طن نہ باشد ہرگز از بہر دو روز این تمنا غلط است

اندیشہ مال و فکر دنیا ہے غلط یہ شوق غلط یہ فکر بے جا ہے غلط
یہ روح بدن میں نہ رہے گی دائم دو روز کی خاطر یہ تمنا ہے غلط

در عالم شوق قیل و قالم دگر است از طُور سخن بیا که عالم دگر است
سودا زده صورتِ معنی ہستم فکر م دگر و راہِ خیالم دگر است

ہے شوق میں اندازِ مقال اور مرا کر طُور کی کچھ بات۔ ہے حال اور مرا
میں صورتِ معنی کا متنائی ہوں فکر اور مرا حُسنِ خیال اور مرا

دنیا ز ہوا و حرص بسیار پُر است ہر جاست دلی در غم دینار پُر است
بیمار بسی شربتِ دینار کم است این خانہ دیرانہ ز بیمار پُر است

اس عالم زر میں ہیں ہوس کار بہت دل ایک ہے لیکن غم دینار بہت
ہے شربتِ دینار کی مفت دار تو کم لیکن نظر آئے مجھے بیمار بہت

—≡۳۵≡—

ایامِ شباب و شعر و انشا ہنر است الفت بہ گل و ساقی و مینا ہنر است
پیری چو رسید ترکِ دنیا ہنر است ہر لحظہ خیال و فکرِ عقبی ہنر است
ایامِ شباب و شعر و انشا ہے ہنر اس دور میں شغلِ مے و مینا ہے ہنر
لیکن پیری میں ترکِ دنیا ہے ہنر ہر لمحہ فقط خیالِ عقبی ہے ہنر

—≡۳۶≡—

ہر کس کہ زمی تو بہ کند نادان است انسان نہ توان گفت بگو حیوان است
این سلسلہ جنبانِ غم جانان است ہم آتشِ افسردہ دل و امان است
جو شخص کہ توبہ کرے وہ ہے نادان انسان کہاں اس کو توہ کیسے جواں
افسردہ دلوں کے لیے اک کُ ہے مئے اس سے غمِ جانان نظر آتا ہے جواں

— ۳۷ —

آن را کہ ہوس بیش بود ناکام است مرغی کہ پئے دانہ رود در دام است
 این مال پُر از ملال بسیار و بال ہر چند کم او بیش درد آلام است
 جو شخص ہوس پیشہ ہے وہ ہے ناکام دانے کی ہوس ہی سے ہے طائرِ تیر دام
 ہے مال تو دراصل ملال اور وبال کم ہو کہ زیادہ ہے سراسر آلام

— ۳۸ —

ہر کس کہ گرفتار ہوا و ہوس است اگر سلطنتش دہی نگوید کہ بس است
 سر رشته زندگی بسی کوتاہ است از طولِ اہل حذر کہ دامِ قفس است
 جس شخص کا شیوہ ہے فقط حرص و ہوس شاہی بھی ملے اس کو کہے گا نہ وہ بس
 سر رشته حیات کا بہت ہے کوتاہ یہ طولِ اہل کیا ہے بجز دامِ قفس

— ۳۹ —

ہر کس بہ ہوسِ باغِ بہانِ دید و گزشت خار و گلِ پژمرده بہم چید و گزشت
 این صورتِ ہستی کہ تماشا معنی است افسوس بر آن کس کہ نہ ہمید و گزشت
 کی سیرِ جہاں اور جہاں سے گزے کچھ پھول تو کچھ خار پٹنے اور گئے
 یہ صورتِ ہستی تو سرا سرق ہے افسوس ہے ان پر جو نہ اس کو سمجھے

— ۴۰ —

آن را کہ ہوسِ بیش بود آزار است از شربتِ دینار دیش بیمار است
 از گرسنہ چشنی بہانِ سیری نیست این طائفہ دیدم ہمہ جا بیار است
 جن لوگوں کے سینے ہیں ہوس سے معمور ہے خواہشِ دنیا سے دل اُن کا رنجور
 دیکھنا نہ حریصوں کو کسی وقت بھی سیر اس قسم کے لوگوں سے ہے دنیا بھر پور

ہر جا کہ عنہم یار بود آرام است ✓ بی این بجهان ہر کہ بود ناکام است
غافل نشوی زیاد و از بادہ تاب گرد دولت جم می طلبی با جام است

ملا ہے غم یار سے آرام جہاں بے اس کے ہر اک شخص ہے ناکام یہاں
محبوب سے غافل ہو نہ جام مے سے ہے دولت جم عطیہ جام یہاں

ہر کس کہ درین زمانہ دار دہمت باید کہ نہ گیرد ز کسی جز عبت
ز آسیرش خلق گنج عزلت بگزین و ز نیک و بد جہان طلب کن وحشت

جس شخص کو بخشی ہے خدا نے ہمت حاصل وہ کرے اہل جہاں سے عبرت
کر عمر بسر گوشہ تنہائی میں لازم ہے بد و نیک سے تجھ کو وحشت

— ≡ ۴۳ ≡ —

نفعی بجسی اگر رسانی ہنر است سود است درین سود بخود بیشتر است
 زین گوہر نایاب نہ گردی غافل این بحرِ پر آشوبِ جهان در گذر است
 ہو تجھ سے بھلا کسی کا یہ نیک ہے کام سودا ہے یہ ایسا کہ ہے راحت انجام
 اس پسند کو تو گوہر نایاب سمجھ دنیا ہے پر آشوب نہیں اس کو قیام

— ≡ ۴۴ ≡ —

آن شعلہ کہ یاقوتِ دلم رازنگ است گوہر بہ محیط است و شرر در رنگ است
 او در ہمہ دزدست و غافل ہمہ خلق این معنی رنگین چہ قدر بی رنگ است
 جو شعلہٗ آفت دل پر رنگ میں ہے وہ بحر میں گوہر ہے شرر رنگ میں ہے
 وہ سب میں ہے لیکن میں سب اس سے غافل کیا راز نہاں عشق کے نیز رنگ میں ہے

دیدی کہ غم و عیشِ جہان زود گذشت چیزے کہ در اندیشہ تو بود گذشت
 این یک دو نفس کہ ماند سرمایہ تو ہشیار کہ نقصان بکنی سود گذشت
 باقی نہیں سالے یہ عیش و غم کے کیا تجھ کو ملامت کے اندیشے سے
 رہتے ہیں جو زندگی کے دو چار نفس ہشیار کہ ان میں نہ خارا ہو جائے

دنیا نیکم طلب کہ کم تر ز خس است بی دولت دیدار تو این ہم نفس است
 خواہاں و صالم و ہمین است سخن درخانہ اگر گل است یک حرف بس است
 دنیا کی طلب چھوڑ یہ ہے محض ہوس بے دولت دیدار یہ دنیا ہے نفس
 میں تیرے وصال کا ہوں خواہاں ہر دم عاقل ہو اگر کوئی تو اک حرف ہے بس

— ۴۷ —

ہر نیک بدی کہ بہت در دستِ خدا
این معنی پیدا و نہان در ہمہ جا است
باور نہ کنی اگر درین حساب نہ گھر
این ضعفِ من و قوتِ شیطانِ کجاست

ہر نیکی و ہر بدی کا مالک ہے خدا
یہ قول تو ہر مقام پر ہے سچا
یہ ضعف ترا اور یہ ابلیس کا زور
باور نہیں تجھ کو تو کہاں سے آیا

— ۴۸ —

نی سرو قدی کہ رو نماید یار است
نی سیمبری کہ زرر باید یار است
آن یار گزین کہ ہر چہ خواہی بدہد
یاری کہ بکار تو بیاید یار است

ہر سرو قد چہرہ کشا دوست نہیں
جو کام نہ آئے بخدا دوست نہیں
تو دوست بنا اس کو جو آئے تھے کام

دل اگر دانا بود اندر کنارش یار هست چشم اگر بینا بود در ہر طرف دیدار هست
گوش اگر شنوا شود جز ذکر حق کے بشنود و زبان گویا بود در ہر سخن اسرار هست

دانا ہی سے مخصوص ہے اس کا ملنا بینا ہی پہ موقوف ہے دیدار اس کا
جز حق کے نہیں سنتا ہے گوش شنوا ہے محرم اسرار زبان گویا

تنہا نہ ہمیں دیر و حرم خانہ اوست عالم ہمہ دیوانہ افسانہ اوست
این ارض و سما تمام کا شانہ اوست اس کلبے یہ سب ارض و سما کا شانہ
عقل بود آن کسی کہ دیوانہ اوست عالم صرف اس کے نام پر شیدا ہے
عقل ہے وہی جو اس کا ہے دیوانہ

لے یہ چار مثنوی رباعی کے مروجہ اوزان سے باہر ہے۔

صد شکر کہ دلدار ز من خشنود است ہر دم بکرم ہر نفسی در جود است
نقصان بمن از ہر و محبت نہ رسید سودا کہ دلم کرد تماش سودا است

صد شکر کہ دلدار کا مجھ پر ہے کرم ہر وقت غایات میں بخشش ہر دم
ہے شوقِ محبت تو فقط سود ہی سود اس شوق میں ہرگز نہیں نقصان کا غم

انسان کہ شکم سیری او کی ناک است از حرص و ہوا شام و سحر نالاست
در بحر وجودش بہ نگر طوفان است آخر چو حباب یک نفس مہمانست

اک روٹی سے ہوتا ہے شکم سیر انسان ہے شام و سحر حرص میں پھر بھی غلطاں
ہے بحرِ جود اس کا بہت طوفانی ہے مثلِ حباب ایک نفس کا مہاں

این نفسِ ستمگار بہ بین شیطان است پیوستہ عیان بود مگو بہنہان است
ابلیس خودی چرا بہ ابلیس بدی در پیش خیالات تو او حیران است

یہ نفسِ ستمگار ہے سچ مچ شیطان یہ بات تو ظاہر ہے، نہیں ہے پنہاں
ابلیس ہے خود تو ہی بُرا اُس کو نہ کہہ وہ تیرے خیالات سے خود ہے حیراں

اسرارِ مئی و جامِ بکس روشن نیست این راز بہر مردہ دلی گفتن نیست
زاہد بخدا کہ از خدا بی خبری سر رشتہٗ این بدست ہر کو دن نیست

اسرارِ مے و جام کا ہے کون حریف سمجھے گا نہ یہ بات کبھی قلبِ ضعیف
زاہد کو خبر کیا کہ خدا کیا شے ہے نادان تو سمجھے گا نہ یہ رازِ لطیف

دوری نفسی مرا از دو ممکن نیست این یک جہتی بہ گفتگو ممکن نیست
 او بحر۔ دلم سبوست این حرف غلط گنجائش بحر در سبو ممکن نیست

دم بھر بھی مجھے اس کی جدائی ہو گراں اس عشق کو لفظوں میں کرے کون بیان
 وہ بحر ہے دل سبو ہے یہ قول غلط گنجائش بحر کی سبو میں ہو کہاں

خواہی نکستی رنج و نیا بی زحمت از مردم روزگار بگزین عورت
 ہر چند کہ بر روی زمین احت نیست گر ہست ہمین است بد نیا راحت

خواہش ہے اگر تیری، نہ پائے زحمت لازم ہے ترے واسطے کُنج عورت
 دم بھر بھی نہیں روئے زمیں پر آرام راحت ہے کہیں تو ہے اسی میں احت

این جسم بصدقم فنا بنیاد است این شعلہ خس در نفسی برباد است
از دام اجل ترار ہائی نہ بود صیدی و سروکار تو با صیاد است ✓

بنیاد نہیں جس کی وہ بنیاد ہے تو اک شعلہ خس فانی و برباد ہے تو
کب دام اجل سے ہو رہائی تجھ کو اے صید زبوں بستہ صیاد ہے تو

از بہر دور روز فکر دنیا غلط است دل بستن معمورہ و صحرا غلط است
مانند نسیم ہر نفس در گزری این حرص و ہواؤ این تمنا غلط است

وودن کے لیے خواہش دنیا ہے غلط دل بستگی گلشن و صحرا ہے غلط
ہے تیز نفس حیات مانند نسیم یہ حرص غلط ہے یہ تمنا ہے غلط

دنیا طلبان را نہ راحت کا راست تا آخر دم فکرِ زر و دین راست
 این طائفہ را خیالِ مردن نہو پیوستہ غمِ سیم و زرِ بسیار راست

دافستہ دنیا کو تو آرام نہیں جز فکرِ زر و مال کوئی کام نہیں
 مرنے کا خیال اس کو آئے کیوں کر دم بھر بھی تو وہ فارغِ آلام نہیں

از مردم دنیا و ز دنیا و حشت ہر چند بگیری نہ کفِ آری راحت
 ہنگامِ بہار و ہم خزانہ دیدم در باغِ جہان نیست گلے جزِ عبرت

دنیا سے تجھے چاہیے ہر دم و حشت کوشش پہ بھی ملتی نہیں اس میں راحت
 دیکھی ہے زمانے کی بہار اور خزاں اس باغ میں اک گل بھی نہیں جزِ عبرت

— ۶۱ —

ہرچند گل و خار درین باغ خوشا است بے یار دل از باغ نہ از راغ خوشا است
چون خونِ دلم لالہ بہ بین در زنگست این چشم و چراغ نیز با داغ خوشا است

ہرچند گل و خار سے ہے زینتِ باغ بے یار دل افروز سمجھ باغ نہ راغ
گو بدے میں ہمرنگیِ خونِ دل ہے منظورِ نظر پھر بھی ہی اس پھول کا داغ

— ۶۲ —

از حد و حساب کارِ عصیان بگذشت در توبہ انفعال یاران بگذشت
از شامتِ غفلت نہ رسیدم بوصول عمرم ہمہ در دوریِ جانان بگذشت

گنتی سے ہے باہر یہ عصیاں کی لڑی ہیں اشکِ ندامت مکران کی جھڑی
غفلت سے میسر نہ ہوا مجھ کو وصال یہ دوریِ جانان بھی مصیبت ہے بڑی

— ۶۳ —

چندان دلِ نادانِ بغمِ سیم و زر است کو وقتِ نماز ہم بفکرِ دگر است
دروہم و خیالِ بین و آن بیشتر است از فکرِ مالِ کار خود بی خبر است

اتنا دلِ نافہم ہے دیوانہ زر ہے وقتِ نماز بھی اُسے فکرِ دگر
سودا اسے ہر وقت ہے این دآں کا اپنے انجام کی نہیں کچھ بھی خبر

— ۶۴ —

ہر چند کہ از جرمِ فزولِ حسان است دلِ در غم و اندیشہٴ این حیران است
اماچہ بود مالِ کاری کہ نشد در خوفِ رجا دیدہٴ من گریان است

ہر چند معاصی سے ہے افزودِ احسان دل پھر بھی ہے اندیشہٴ غمِ حیران
اخبامِ خدا جانے مرا کیا ہوگا ہے آنکھ اسی نیم درجائیں گریاں

از کارِ جهان تمام انکار خوش است این کار کنی اگر تو بسیار خوش است
خود را بکار گیر و بگذر ز ہمہ در عالم تدبیر ہمین کار خوش است

تو دل میں ذرا بھی غمِ آیام نہ کر تدبیر میں اندیشہٴ انجام نہ کر
دنیا سے الگ ہو کے ہی دنیا سے گزر اس کام میں دم بھر کبھی آرام نہ کر

ہر کس بخیالِ دوستِ حالش خوبست ہم اوّل کار و ہم مآلش خوبست
بسیار مبنی دل بد دنیا گھنتم ہر چند کہ ہست اعتدالش خوبست

جس دل میں خدا ہے اس کا حال اچھا ہے آغاز بہت خوب مال اچھا ہے
اچھا نہیں اس قدر یہ دنیا کا خیال جتنا بھی ہو اس میں اعتدال اچھا ہے

— ۶۷ —

وارتہ دلم ہمیشہ وارتنہ اوست پیوستہ درین باغ بزمِ گل بوست
ببریزِ محبت است مینائی دلم از کوزه همان برون تراود کہ دروست

ہے اس کا فدائی دلِ آشفۂ نوا مانند گل اس باغ میں ہے جلوہ نما
آئے گی محبت کی صدا ہی اس سے جو کچھ بھی ہے جام میں وہی ٹپکے گا

— ۶۸ —

آن ذات برون ز گنبدِ ازل نیست ذاتِ مقید کہ مجرِ مطلق نیست
حق باطل نیز ہست باطل حق نیست آن ذات بجز مصدرِ ہر شق نیست

باہر نہیں دنیا سے وہ ذاتِ اعلیٰ مطلق بھی ہے وہ جس کو مقید دیکھا
حق پر دے میں غائب ہو تو باطل نہیں مصدر ہے وہی اصل میں ہر شق کا

نابود شدم بود نمی دانم چسیت اخگر شده ام دو د نمی انم چسیت
 دل دادم و جان دادم و ایمان دادم سودا ست مگر سود نمی دانم چسیت

نابود ہوں معلوم نہیں ہو دے کیا اخگر ہوں خبر اس کی نہیں دو دے کیا
 دے بیٹھا ہوں اس کو دل و جان و ایمان اس سو دے میں معلوم نہیں سو دے کیا

شد حشر کنون صور سرافیل کجاست طوق ادب از بہر عزرا زیل کجاست
 از بہر خراب کردن بیت اللہ شد فیل نمودار ابابیل کجاست

ہے حشر مگر صور سرافیل کہاں ہے طوق ادب بہر عزرا زیل کہاں
 کبھے کی تبہا ہیوں کا مقصد لے کر اک فیل تو آیا ہے ابابیل کہاں

 ۴۱

دل باز گرفتارِ نگاری شدہ است از فکر و غم لالہ عذاری شدہ است
 من پیر و دلم ذوقِ جوانی دارد ہنگامِ خزاں جوشِ بہاری شدہ است

دل پھر سے ہوا میرا گرفتارِ نگار تڑپانے لگا ہے پھر کوئی لالہ عذار
 میں پیر ہوں لیکن ہے جوانی دل میں ہنگامِ خزاں جوشِ بہاری کیوں کر ہو بہار

 ۴۲

چیزی کہ گذشت رفت یادش ستم است سودا است کہ سرمایہٴ او رنج و غم است
 این عمرِ گرامی بعبث صرف ممکن بیش از نفسی مگیر بسیار کم است

جو بیت گئی اس کا عبث ماتم ہے اس سوئے کا سرمایہ ہی رنج و غم ہے
 اس عمرِ گرامی کو نہ کر تو برباد بس ایک نفس ہے یہ بہت ہی کم ہے

ابن شہر و دیار و کوہ و صحرا ہمہ ہیچ دیدیم تمام زشت و زیبا ہمہ ہیچ
خود را بخدا گزار و بگذر ز ہمہ این خواہش و فکر دین و دنیا ہمہ ہیچ

یہ شہر و دیار و کوہ صحرا سب ہیچ دنیا اور اس کے زشت و زیبا سب ہیچ
سب چھوڑ کے بس ایک خدا کا ہو جا یہ حرص یہ فکر دین و دنیا سب ہیچ

اے از رخ تو شگفتہ خاطر گل سرخ باطن ہمہ خون دل و ظاہر گل سرخ
زان دیر برآمدی ز یوسف کہ بیباغ اول گل زرد آمد و آخر گل سرخ

تیرے رخ سے شگفتہ خاطر گل سرخ باطن میں ہے خون دل بظاہر گل سرخ
یوسف کے بعد ہی تجھے آنا تھا پہلے گل زرد آتا ہے آخر گل سرخ

لے صاحب دبستان مذاہب نے لکھا ہے کہ یہ رباعی نعت میں ہے۔

سرمداگرش وفاست خود می آید گر آمدنش رواست خود می آید
بے ہودہ چرا در پئے اومی گردی بنشین اگر او خداست خود می آید

سرمداگر اس میں وفا آئے گا خود آنا ہے اگر اس کا روا آئے گا خود
بے فائدہ کیوں کرتا ہے تو اس کی تلاش چل بیٹھ اگر ہے وہ خدا آئے گا خود

ایام شباب رفت و شیطان نرسید بردا من من غبارِ عصیان نرسید
پیری چو رسید معصیت گشت جوان دردی عجیبی رسید و درمان نرسید

گزرا دورِ شباب شیطان نہ ملا دامن کے لیے غبارِ عصیاں نہ ملا
پیری میں گناہوں پہ جوانی آئی وہ درد ملا ہے جس کا درمان نہ ملا

سرد کارِ آن لطف و کرم است از معصیت و سیاه کاری چه غم است
 رشیدن برق بین و جوشِ باران رحمتِ چه فروغِ غضبِ بسیار کم است
 سرد ہے شعاعِ اس کا نقطہ ہر و کرم اتنا بھی نہ کر سیاہ کاری کا غم
 بجلی کا بھی رقص دیکھ 'باران کو بھی دیکھ لطف اتنا زیادہ ہے غضب اتنا کم

راضی دل دیوانہ بہ تقدیر نہ شد فارغِ ز خیال و فکرِ تدبیر نہ شد
 ایامِ شباب رفت و باقیست ہوس ما پیر شدیم و آرزو پیر نہ شد
 دیوانہ ہے دل 'شاکرِ تقدیر نہیں کس وقت وہ محو فکر و تدبیر نہیں
 ایامِ شباب گزرے باقی ہے ہوس ہم پیر ہوئے حرصِ مگر پیر نہیں

یاران چہ قدر راہ دورنگی دارند مصحف بہ بغل دین فرنگی دارند
پیوستہ بہم چو مہر ہائے شطرنج در دل ہمہ فکر خانہ جنگی دارند
یارانِ طریقت کی دورنگی دیکھو اسلام میں یہ دینِ فرنگی دیکھو
صف بند ہیں شطرنج کے مہروں کی طرح اس پر بھی یہ سنکر خانہ جنگی دیکھو

قصاب پسر کہ باننش کینہ بود خواہم دلِ اوصاف چو آئینہ بود
گر دست بمن وہد بگیرم پایش در پشت بمن وہد بہ از سینہ بود
قصاب کے بیٹے کو ہے مجھ سے کینا دل اس کا بھی ہو صاف بنے آئینا
وہ ہاتھ بڑھائے تو پکڑ لوں میں بیر وہ پیٹھ دکھائے تو سمجھ لوں سینا

ہر کس کہ ثبات دہر سنجیدہ بود فصل گل و ایام خزان دیدہ بود
مائل نہ شود برنگ و بوئی گل و مل نادیدہ شمار و آنچه خود دیدہ بود

جس شخص پہ ظاہر ہے کہ فانی ہے جہاں جس شخص نے دیکھی ہو بہار اور خزاں
وہ مائل رنگ و بو نہیں ہو سکتا نادیدہ ہی سمجھے گا وہ گل زار جہاں

در ہر گنہی فرو و در بخشایش وجود شرمندہ باین طور ز کردار نمود
نخضر رہ من گناہ شدہ آخر کار این فضل و کرم چہ بود این جرم چہ بود

ہر جرم پہ بخشش سے گرا نبار کیا اس طور سے شرمندہ کردار ہوا
عصیاں نے بتایا مجھے رہ بر ہو کر کیا فضل و کرم ہیں کیا جرم و خطا

— ۸۳ —

دنیا ہمگی اگر بکام تو بود دین سکۂ مہر و مہ بنام تو بود
آخر ز جہان پئے بقا باید رفت گر قیصر و فقور غلام تو بود

دنیا سے جو حاصل ہوں تجھے سب انعام ہو سکۂ مہر و مہ پہ بھی تیرا نام
اک دن تو یہاں سے کوچ کرنا ہو گا ہوں قیصر و کسریٰ بھی اگر تیرے غلام

— ۸۴ —

ہر کس کہ بہ لطف و کرمت دیدہ کشود قہر و غضب غیر نہ داند موجود
مردود تو پیچ جانہ گرد و مقبول مقبول تو پیچ گہ نہ گرد و مردود

جس پر بھی ہوئی وقف تری بخشش و جود اس کے لیے ہر قہر و غضب ہے نابود
مردود ترا نہیں کہیں بھی مقبول مقبول ترا نہیں کہیں بھی مردود

خواہی کہ زفیضت کرم وجود بود در ہر دو بہان راحت و بہود بود
 سودائے خیالش ہمہ سرمایہ سود ہر ش بگزین کہ عاقبت سود بود
 خواہش ہے اگر کہ مائل بود رہے ہر حال میں راحت رہے بہود رہے
 تو اس کے تصور کو بنا لے پونجی سودا ہے یہی جس سے تجھے سود رہے

عزت بہان راحت جان یافتہ شد بر رئے زمین گنج نہان یافتہ شد
 این گوہر نایاب کہ ہم بے قدر است در بحر پر آشوب بہان یافتہ شد
 عزت ہے اگر تجھ کو جہاں سے حاصل راحت ہے اسی گنج نہاں سے حاصل
 یہ گوہر نایاب اسی بحر میں ہے ہوتی ہے یہی چیز یہاں سے حاصل

— ۸۷ —

یک لحظہ اگر دلِ حزینت بدہند آسودگیِ روئیِ زمینت بدہند
گر مہرِ خداست نقشِ بر خاتمِ دل عالمِ ہمہ در زیرِ نگیخت بدہند

دل جائے جو دم بھر کو تجھے قلبِ حزیں حاصل ہے آسودگیِ روئے زمیں
پے دل کی انگوٹھی پہ اگر مہرِ خدا ہو سارا جہان تیرے ہی زیرِ نگیں

— ۸۸ —

در دہرِ عدو مثالِ غفلت نہ بود خواری بہ ترا ز خواہشِ رفعت نہ بود
ہشیار دمِ پیری شو کاخر و قت حاصلِ دگرت بجزِ ندامت نہ بود

دشمنِ ترا کوئی نہیں غفلت کے سوا یہ خواہشِ رفعت نہیں ذلت کے سوا
ہشیار ہو پیری میں کہ اس منزل پر ملتا نہیں کچھ شرم و ندامت کے سوا

— ۸۹ —

غمگین نشوی گر دل ریش بدہند خستہ و مشو کہ بیش پیش بدہند
 گر شکر باین دولت سرمد بکنی بیش بدہند از ہمہ بیش بدہند
 غم گیس نہ ہو تجھ کو جو دل ریش لے خوش ہو نہ اگر راحت غم کیش لے
 اس دولت سرمد کا جو ہو شکر گزار پھر بیش لے بیش لے بیش لے

— ۹۰ —

سرمد گلہ یار نکوشد کہ نہ شد لب پیہدہ گفتار نکوشد کہ نہ شد
 منت کش دہری شوی آخر کار کاری کہ ز تو کار نکوشد کہ نہ شد
 محبوب کا شکوہ نہ ہوا خوب ہوا شکوے کو دہن دا نہ ہوا خوب ہوا
 بے کار تو منت کش دنیا ہوتا جو کام ہے تیرا نہ ہوا خوب ہوا

— ۹۱ —

بشکر کہ عزیزان ہمہ در خاک شدند در صید گہ فنا بفتراک شدند
 آخر ہمہ را خاک نشین باید شد گیرم کہ برفت ہمہ افلاک شدند
 جتنے بھی تھے دوست سب تر خاک آئے صیاد فنا سے نہ وہ بچنے پائے
 ہونا ہے بہر حال اسے خاک نشین جو اوج کی حوص میں فلک تک جائے

— ۹۲ —

آن کس کہ شراب مے خورد مے گذرد وان کس کہ کباب مے خورد مے گذرد
 سرمد کہ بکاسہ گدا ئی نان را تر کردہ آب مے خورد مے گذرد
 جو پی لے شراب اس کے بھی دن گزریں گے جو کھائے کباب اس کے بھی دن گزریں گے
 جو بھیک کے ٹکڑے کے لیے اسے سرمد ہو خانہ خراب اس کے بھی دن گزریں گے

— ۹۳ —

ایزد بترا زوی قدر با خورشید
چون جنس نکوئی رخت می بنید
این بسکه گران بود نہ جنید زجا
وان بسکه سبک بود با فلاک سید

خورشید ادھر اور ادھر چہرہ ترا
خالق نے ترا زوئے قدر میں تو لا
بھاری تھا ترا حسن زمیں گیر رہا
خورشید سبک تر تھا فلک پر پہنچا

— ۹۴ —

سرد غم عشق بوا الہوس راند ہند
سوزِ دل پروانہ نگس راند ہند
عمری باید کہ یار آید بہ کنار
ایں دولتِ سرد ہم کس راند ہند

سرد غم عشق بوا الہوس کو نہ دیا
سوزِ دل پروانہ نگس کو نہ دیا
اک عمر گزرنے ہی پہ ملتا ہے وہ دوست
یہ وہ ہے شرف جو خارِ خس کو نہ دیا

ہر جا کہ روی مہر و وفا یار تو باد آرام و فراغت ہمہ جایار تو باد
از نامہ و پیغام فراموش کن یاد آوریم بکن خدا یار تو باد

جائے بھی سفر میں تو وفا ساتھ رہے آرام و سکون صبح و مسا ساتھ رہے
غافل نہ کبھی نامہ و پیغام سے ہو کر یاد ہمیں فضلِ خدا ساتھ رہے

بے فکر و خیال دوستِ احت نہ بود اندیشہ مال و جاہ و دولت نہ بود
سر رشتہ جان و دل بد لبِ بسیار با دولتِ پایدار دورت نہ بود

ہمہم کے تصور سے تو معذور نہ ہو دیوانہ دولت نہ ہو مغرور نہ ہو
دلبر کے سپرد کر دے اپنے دل و جاں اس دولتِ پایدار سے دور نہ ہو

— ۹۷ —

دنیا مطلب دشمن جان باید شد دل خستہ این بار گران باید شد
اندیشہ سنجیدن این درکارست میزانِ تامل بہ جهان باید شد

دنیا کی طلب چھوڑ یہ ہے دشمن جاں دب جائے گا دل اٹھا کے یہ بار گراں
اس بات کو تو ناس ہے لازم تجھ کو تو ہاتھ میں لے ہوش و خرد کی میزاں

— ۹۸ —

ایام بہارِ شقی حجام کشد ہنگامِ خزاںِ خمارِ این نام کشد
مے نوش کہ صیادِ فلک می گردد ہر روز درین فکر کہ در دِ اَم کشد

کیوں زہدِ ریائی تجھے بدنام کرے لازم ہے کہ تو شغلِ مے و جام کرے
اے زاہدِ کم ظرفِ فلک کی گردش اس فکر میں ہے تجھ کو تیرے دِ اَم کرے

افسوس کہ کنہش بخیا لم نہ رسید
اندیشہ درین بادیہ بسیار دوید
بر روی خیال خام حیران شد ام
بر پردہ عنکبوت صورت کہ کشید

پہنچی نہیں اس کے راز تک میری نظر
اس دشت میں دن رات کیا میں نے سفر
حیران ہوں میں صورت انسانی سے
باریک سے جالے پہ بنائی کیوں کر

ہر دل کہ بدام غم او شاد بود
از ہر دو جہان فارغ و آزاد بود
دیدم ہمہ جا صورت معنی است کی
این آئینہ ہر جا ست خدا داد بود

جس دل کو ہے غم اس کا وہ دل شاد رہا
دنیا کے ہر اک رنج سے آزاد رہا
ہر ایک کے باطن میں ہے تصویر اس کی
آئینہ خدا داد خود آباد رہا

— ۱۰۱ —

این مردم دنیا کہ گرفتارِ غم اند دیوانہ بسی دیدم و ہشیار کم اند
از بہر دو روز عمر از شامتِ نفس در حرص و ہوا اسیر و بد خواہم اند

یہ اہل جہاں سب ہیں گرفتارِ الم دیوانے بہت ان میں ہیں ہشیار ہیں کم
ہے عمر دو روزہ پہ غضبِ شامتِ نفس پھر حرص و ہوس ستم ہے بالائے ستم

— ۱۰۲ —

دنیا بکسی روئی فراغت نہ نمود سودا ست چنین خیال بیہودہ چہ سود
امروز چنین ہست سوئی دامن تو تا بود چنین بود چنین خواہد بود

آرام نہیں دہر کے آب و گل میں کیوں نفع کار رکھتا ہے تو سودا دل میں
جو حال میں ہے تھی وہی ماضی میں خلش کچھ اور سوا ہوگی یہ مستقبل میں

—۱۰۳—

ہرچند کہ صد دوست بن دشمن شد از دوستی کمی دلم امین شد
وحدت بگزیدم و ز کثرت رستم آخر من از و شدم او از من شد

ہرچند کہ سو دوست ہوئے ہیں دشمن اک دوست کے فیضان سے دل ہے امین
وہ میرا ہوا اور ہوا میں اس کا کثرت کے عوض لگ گئی وحدت کی لگن

—۱۰۴—

دیدم بسی کہ سوز و حسرت بردند صد داغِ حسد بخود ز عالم خوردند
از بہر دور و ز عمر از دست ہوس دل را بغم و درد بہم افشردند

لاکھوں ہیں کہ حسرت میں جے جاتے ہیں سو داغِ حسد دل پہ لے جاتے ہیں
اس عمر دور و روزہ میں ہوس کی خاطر بے دل دل پر غم کو کیے جاتے ہیں

— ۱۰۵ —

این بے خردان کہ از خدا بے خبر اند از بہر زرو سیم بہم کینہ و راند
 بر دوستی اہل جہان تکیہ مکن از بہر دور و ز دشمن یک دگر اند
 دولت کے لیے کرتے ہیں جو کینہ وری اللہ سے غافل ہیں خرد سے ہیں بری
 تو دوستی اہل زمانہ پہ نہ حبا بہتر ہے کہ چھوڑ دے یہ آشفۃ سری

— ۱۰۶ —

این مردم دنیا ہمہ بد خواہم اند یارانِ نکو کار چہ بسیار کم اند
 خوش وقتی دل بہ بواہوس بسیار است آن ہا کہ عزیز اند گرفتارِ غم اند
 بد خواہ مرے اہل جہاں پیہم ہیں یارانِ نکو کار نہایت کم ہیں
 جو اہل ہوس ہیں وہ تو خوش وقت ہیں سب دنیا میں جو اچھے ہیں اسیرِ غم ہیں

— ۱۰۷ —

ہر کس پئے نانی بھجان دوست بود یک دوست ندیدیم ز جان دوست بود
چون سگ ز پئی لقمہ بہر در بد و ند این است نشان کہ نام شان دوست بود

ردئی کے لیے بندہ الفت سب ہیں جو اہل میں ہیں دوست وہ ملتے کب ہیں
لقمے کے لیے پھرتے ہیں کتے کی طرح گو کہنے کو یہ لوگ وفا مشرب ہیں

— ۱۰۸ —

طولِ اہلِ عمر باختر نہ رسید دیوانہ دلم عاقبت کار نہ دید
شبہا بخیاں خوابِ غفلت بگذشت اکنون چہ کنم کہ صبح صادق بدید

ہوتا ہی نہیں ختم کہیں طولِ اہل سوچا نہ کبھی دل نے کہ کیا ہوگا کل
اب بھی کچھ سوچ صبحِ پیری آئی راتوں میں تو جاری رہا غفلت کا عمل

 ۱۰۹

گاہی کہ دلم حسابِ کردار کند چنبدین غم و اندوہ بخود یار کند
 بیش از نفسی نہ دیدم این کار کند کاری کہ ندامت و ہد انکار کند
 کرتا ہے کبھی دل جو حسابِ کردار ہوتا ہے اُسے بارِ گنہ سے آزار
 جس کام سے ہوتی ہے ندامت اتنی اس کام سے کرتا نہیں مطلق انکار

 ۱۱۰

دل در پئی یلی صفتی مجنون شد در عالم غربتم وطن ہامون شد
 در پیری و ضعف متقی گشت جوان ہنگامِ خزان جوش بہار افزون شد
 دل ہے کسی لیلائے حیں کا مجنوں پاتا ہے تو پاتا ہے یہ غربت میں سکوں
 زاہد پہ بڑھا پے میں جوانی آئی کیا جوش بہار ہے خزاں میں افزوں

— ||| —

آن کس کہ ترا تاجِ جہان بانی داد مارا ہمہ اسبابِ پریشانی داد
پوشاند لباسِ ہر کرا عیبی دید بے عیبان را لباسِ عریانی داد
کرتا ہے عنایت جو تجھے سلطانی کرتا ہے غم دہر ہمیں ارزانی
جو عیبِ پُر ہیں انھیں دیتا ہے لباس بے عیبوں کو دیتا ہے نقطِ عریانی

— ||| —

غیر از تو مرا یار و نگاری نہ بود دل را ہوسِ باغ و بہاری نہ بود
پیوستہ خیال و دم اندیشہ بشوی جز ہر دمہ رُوی تو کاری نہ بود
اک تیرے سوا کچھ نہیں مطلوب مجھے گلشن کی بہاریں نہیں محبوب مجھے
بے کاریں ہر وقت کے یہ وہم و خیال جلوہ ترے حسن کا ہے مرغوب مجھے

— ۱۱۳ —

جز بادہ شوقِ دوستِ عشرت نہ بود بے درد کشتی نشہ وحدت نہ بود

مے خانہ عالم کہ پُر از دردِ سراست خالی زخار ورنج و محنت نہ بود

جز بادہ شوقِ کوئی عشرت ہی نہیں بے درد کشتی نشہ وحدت ہی نہیں

میں خانہ عالم ہے سراپا غم ورنج راحت ہی نہیں اس میں مسرت ہی نہیں

— ۱۱۴ —

انباہی زمان بیکِ گردِ تنگ اند پیوستہ بہ خود چو مختلف آہنگ اند

قانونِ وفا و مہر برداشتہ اند دایم بمقامِ آشتی در جنگ اند

انباہی زمانہ تو ہیں دل تنگ بہت ساز ان کے ہیں سب مختلف آہنگ بہت

ہیں مہر و محبت سے سراسر قافل ہے صلح تو کم سلسلہ جنگ بہت

— ۱۱۵ —

یار می بگزین کہ بے وفائی نہ کند دل خستہ ترا در آشنائی نہ کند
پیوستہ در آغوش و کنارت گیرد ہرگز نہ تو یک گام جدائی نہ کند

وہ دوست بنا جو بے وفائی نہ کرے جو تجھ کو تاکے آشنائی نہ کرے
آغوشِ محبت ہی میں رکھے تجھ کو ہمدم رہے اقدامِ جدائی نہ کرے

— ۱۱۶ —

این قوم کہ در دوستی سیم و زرا اند غافل ز خدا و دشمن یک دگر اند
ہر چند نصیب ہمہ پیوستہ جداست در بخشش حق بیک دگر کینہ و راند

وہ لوگ کہ دولت کی چھین خواہش ہے اللہ سے غافل ہیں بہم رنجش ہے
ہر چند مقدر ہے جدا ان سب کا جلتے ہیں اگر حق کی کہیں بخشش ہے

— ۱۱۷ —

ہشیار بود ہر کہ گل جام کشد خود را ز غم و محنت ایام کشد
مے نوش کہ صیاد فلک مے گردد آخر ہمہ را ز حیلہ در دام کشد

ہشیار وہی ہے جو پیچے بادہ و جام غم سے ہو جسے کام نہ آلام سے کام
مے پی کہ ہے صیادِ فلک گردش میں ہر ایک لے آئے گا ظالم تیرے دام

— ۱۱۸ —

آنی کہ غم تو رنگ رامی شکند خمی تو صفِ پلنگ رامی شکند
دل سختی تو حریص جان سختی ماست آنجا کہ سنگ سنگ رامی شکند

اڑتا ہے ترے عشق میں ہر ایک رنگ ڈرتے ہیں ترے نام سے خونخوار پلنگ
ہے سخت دلی کو سخت جانی کی طلب یہ سچ ہے کہ توڑے گا فقط سنگ کو سنگ

درِ سلخِ عشق جز نکور انکشدند لاغر صفتانِ زشت خور انکشدند
تو عاشقِ صادق ز کشتنِ مکریز مردار بود ہر آنکہ اورا انکشدند

ہوتے ہیں شہید جو ہیں ابرار یہاں پوچھے نہیں جاتے ہیں بد اطوار یہاں
تو عاشقِ صادق ہے تو خنجر سے نہ ڈر مردار پہ چلتی نہیں تلوار یہاں

آن روز کہ جائیزِ زمین خواہد بود از لطفِ تو یارب بہ ازین خواہد بود
بر روئے زمین ہستِ حلاوتِ مشکل در زیرِ زمین اگر چنین خواہد بود

اک روز ہمیں زیرِ زمین سونا ہے ہے لطفِ خدا جس میں یہی کونا ہے
بڑھ جائے گی زندوں کی مصیبت کچھ اور مرنے پہ یہی حال اگر ہونا ہے

— ۱۲۱ —

اے نفسِ ستمگار چہا خواہی کرد از خلقِ خدا باز جدا خواہی کرد
پیوستہ سرِ جنگ و خصومت داری گا ہی بغلط صلح بما خواہی کرد

اے نفسِ ستمگار کرے گا تو کیا کیا خلقِ خدا سے پھر جدا کر دے گا
ہر وقت تجھے جنوںِ عداوت ہی کا ہے بھولے سے کبھی صلح کے میدان میں آ

— ۱۲۲ —

در مالِ جہان مالِ ہرگز نہ بود این خواب و خیالِ مالِ ہرگز نہ بود
از وہم و خیالِ خام خوش دل نہ شوی بیش از الم و وبالِ ہرگز نہ بود

دنیا کی یہ دولت ہے سراسر فانی یہ ایک سراب ہے نہیں ہے پانی
اس وہم و خیال کا نہیں کچھ حاصل یہ وہم کی دنیا تو ہے عسَم کی بانی

— ≡ ۱۲۳ ≡ —

ہر کس بنجیال او ہم آغوش بود دیوانہ نماید ہمہ سر ہوش بود
 کیفیت این نشہ بکس ظاہر نیست این بادہ تہان ہمہ درجوش بود
 جو تجھ سے تصور میں ہم آغوش رہا ہر وقت وہ فرزانہ و باہوش رہا
 اس کیف کا عالم ہے نہ الا سب سے یہ بادہ نہاں ہو کے بھی سر جوش رہا

— ≡ ۱۲۴ ≡ —

از منصبِ عشق سرفرازم کردند وز منتِ خلق بے نیازم کردند
 چون شمع درین بزم گدازم کردند وز سوختگی محرم رازم کردند
 جب عشق کے منصب سے سرفراز کیا آزادی روح کا بھی در باز کیا
 بخشا مجھے سوزِ شمع گھلنے کے لیے اس ڈھنگ سے مجھ کو محرم راز کیا

 ۱۲۵

ہر چند کہ عصیانِ مرا می داند بر خوانِ کرم ہر نفسی می خواند
در خوف ورجا بسی تامل کردم بیش از ہمہ مائل بہ کرم می ماند

گو میرے گناہوں سے خبردار ہے وہ اس پر بھی کرم کے لیے تیار ہے وہ
جانچا ہے اسے خوف ورجا میں بھی بہت اوروں سے زیادہ مرا غوار ہے وہ

 ۱۲۶

ہر کس کہ سرِ حقیقتش باور شد او پہن ترا از سپہر پہناور شد
ملا گوید کہ بر فلک شد احمد سرمد گوید فلک با حمد در شد

جس شخص نے دیکھی حقیقت کی جھلک ہیچ اس کی نگاہوں میں ہر پہنائے فلک
افلاک پہ احمد گئے ملا نے کہا سرمد نے کہا آیا فلک احمد تک

سرکہ کہ ز جام عشق مستش کردند بالا کردند و باز پستش کردند
 می خواست خدا پرستی و ہشیاری مستش کردند و بت پرستش کردند
 سرکہ کوئے عشق کی مستی بخشی رفعت بخشی پھر اس نے پستی بخشی
 مقصد تھا خدا پرستی و ہشیاری لیکن مستی و بت پرستی بخشی

بگذر ز خودی کہ دین قرینت گردد سر دفتر اعمال ہمینت گردد
 در ہر دو بہان سکے نامت بزنند عالم ہمہ در زیر نگیانت گردد
 کر ترک خودی کو اور ہودیں سے قریں کوئی بھی عمل اس سے پسندیدہ نہیں
 سکے ترے نام کا چلے گا ہر سو ہو جائے گا اک جہاں تھے زیر نگیں

یاران سخنی است اگر گوش کنید تا دست رسد ساغر می نوش کنید
 از پہلوئے جامِ بدم دولت برسید این حرف مبادا کہ فراموش کنید
 اس بات کو کانوں سے ہم آغوش کرو جب تک بھی ملے ساغرِ می نوش کرو
 جمشید نے جام ہی سے دولت پائی دیکھو یہ حقیقت نہ فراموش کرو

این مردم دنیا ز خدا بے خبر اند ہر شام و سحر در طلبِ سیم و زر اند
 از پہلوئی ہمدگر جگر ریش تر اند ہر چند کہ چون بادِ صبا در گزر اند
 ہیں اہل جہاں بے خبر از خدا ہے شام و سحر غم انھیں سیم و زر کا
 رکتے ہی نہیں اُن کے لڑائی جھگڑے ہر چند گند جائیں گے سب مثلِ صبا

— ۱۳۱ —

یارب بکسی مرا رسائی نہ بود امید وفا و آشنائی نہ بود
در دائرہ تجربہ پابند شدم غیر از در رحمت رہائی نہ بود

یارب نہ کسی تک ہو رسائی میری محدود ہو رسم آشنائی میری
ہوں دائرہ تجربہ میں قید مگر ہوگی تری رحمت رہائی میری

— ۱۳۲ —

ہر کس ز خدا دولت و دین مے طلبد یا سیم بری ماہ جبین مے طلبد
بی چارہ دلم نہ آن نہ این مے طلبد خواہانِصال است و ہمین مے طلبد

خالق سے کوئی دولت و دین مانگتا ہے یا اس سے کوئی ماہ جبین مانگتا ہے
مجھ کو گراں اس کی ہے نہ اُس کی خواہش جز وصل کے دل کچھ بھی نہیں مانگتا ہے

آن کیست کہ اوزہد و ریانشناسد در مکر و وفا خدا چو مانشناسد
گفتی کہ مخور بادہ چو من زاہد شو این را بکسی گو کہ ترا نشناسد

عالم میں ہیں سب نہد و ریاسے واقف خالق ہی نہیں مکر و وفاسے واقف
کیوں کہتا ہے ترک مے کی بات اے زاہد ہے کون نہیں تیری خطاسے واقف

سرمد گلہ اختصار مے باید کرد یک کار ازین دو کار مے باید کرد
یا تن بر ضائی دوست مے باید داد یا جان بر ہش نثار مے باید کرد

شکووں سے بہت جان نہ ہلکان کرو دو کام ہیں ایک کا تو سامان کرو
یا تن کو کرو نذرِ رضائے محبوب یا راہِ خدا میں جان قربان کرو

—۱۳۵—

تانیست نہ گردی رہ ہنت نہ دہند این مرتبہ باہمت پست نہ دہند
چون شمع قرار سوختن تا نہ دہی سر رشتہ روشنی بدست نہ دہند

جونست نہیں ہے وہ کبھی ہست نہیں یہ درجہ رہین ہمت پست نہیں
جب تک جلے گا شمع سوزاں کی طرح باطن کی ضیا بھی تری ہم دست نہیں

—۱۳۶—

سرمہ مارا بعشق رسوا کر دند سرمست و سراسیمہ و شیدا کر دند
عریانی تن بود غبار رہ دوست آن نیز بہ تیغ از سرا و ا کر دند

سرمہ ہمیں کرتی ہے محبت رسوا سرمست و سراسیمہ و شیدا بھی کیا
عریانی جسم تھی غبار رہ دوست تلوار نے اس کو بھی نہ باقی چھوڑا

—۱۳۷—

خود را بکن از مهر زرو سیم کنار تا ماه رُخی سیم بر آید بہ کنار
سر رشته قسمت بہ کف تو خود نیست آن را کہ خدا داد با و کی نہ مدار

خود کو زرو سیم کی ہوس سے رکھ دُور مل جائے گا اک سیم بہ شوخ ضرور
سر رشته قسمت ہے تے ہاتھ میں کب دے جس کو خدا اس سے نہ ہرگز ہونفور

—۱۳۸—

ہر گاہ بہ بینی ز کسی عیب و ہنر عیب و ہنر خویش در آور بہ نظر
این است ہنر بہتر ازین نیست دگر خود را بنگر بعیب مردم ننگر

دیکھے جو کسی کے تو عیب و ہنر خود اپنے ہی اعمال پہ ڈال ایک نظر
یہ ایسا ہنر ہے کہ نہیں اس کا جواب دیکھ اپنے کو غیروں کی خطاؤں سے گزر

—۱۳۹—

سرپاشد و پائی سر مرا در رو یار من بے سرو پاشدم تو معذورم دار
ہشیار بسر چگونہ پوشد پا پوش دیوانہ بہ سر چگونہ پیچد دستار

چلتا رہا میں سر کے بل اے ربِّ کبار ہے عشق کی راہ میں یہی مرا شعار
ہشیار پہنتا نہیں جوتی سر میں دیوانہ باندھتا نہیں سر پہ دستار

—۱۴۰—

در بحر وجود از جابی کم تر موجی کہ درین بحر فتنہ ست خط
آئینہ بہ کف دیگر و یکدم بہ نگر عکسی تو درین آب بمانی چہ قدر

اے بحر وجود کے حباب کم تر تیرے لیے ہر موج میں ہے خون و خطر
آئینے میں خود دیکھ ذرا عکس اپنا پائے گانہ کچھ قرار اس میں دم بھر

— ۱۴۱ —

از وہم و خیال و فکر دنیا بگذر چون بادِ صبا ز باغ و صحرا بگذر
دیوانہ مشو برنگ و بومی گل و مل ہشیار بشو ازین ہوا ہا بگذر

تو وہم و خیال و فکر دنیا سے گزر مانند صبا گلشن و صحرا سے گزر
بُوئے گل و مل کا تو نہ ہو دیوانہ ہشیار ہو اس جوشِ تمنا سے گزر

— ۱۴۲ —

اے دوست مرا بعلم و حکمت بہ نگر در مہر و وفا در محبت بہ نگر
من صاحبِ معنیم و صوتِ تعظیم در من چو کتاب ہر دو صورت بہ نگر

اے دوست مرے علم کو حکمت کو دیکھ تو میری وفا میری محبت کو دیکھ
میں صاحبِ معنی ہوں میں صوتِ تعظیم مانند کتاب ہر دو صورت کو دیکھ

—۱۴۳—

شرمندہ کردارِ خودم شام و سحر من محرم این کارم و کس نیست دگر
غافل ہم ازین لطف باین عیبانی جرم خود و ہم فضل تو دارم بہ نظر

شرمندہ کردار ہوں میں شام و سحر اوروں کو نہیں میری ندامت کی خبر
ہے کثرتِ عصیاں پہ بھی اُسیدِ کرم دونوں پہ جی رہتی ہے ہر وقت نظر

—۱۴۴—

اے زاہد خود فروش ہرگز مغرور باید نشوی کہ تا نگردی رنجور
گویند ترا زاہد و ہستی فاسق برعکس نہند نام زنگی کا فور

ہرگز نہ ہو اے زاہد خود میں معرور ڈر ہے کہ نہ ہو جائے سراسر رنجور
تو نام کا زاہد ہے مگر ہے فاسق برعکس نہند نام زنگی کا فور

—۱۳۵—

عصیانِ من احسان تو ناید بشمار بی حد و حساب کی بیاید بشمار
گر پیشِ خود این حسابِ صد سال کنم نہ فضل تو نہ جرم من آید بشمار

ہے جرم و کرم دونوں کی گفتی دشوار بے حد و حساب کا کئے کون شمار
سو سال بھی گنتا رہوں ان دونوں کو ان کا نہ حساب ہو سکے گا نہ نہار

—۱۳۶—

از مردم دنیا بخدا گیر کنار تا دل بکشد عروسِ راحت بہ کنار
سر رشتہٗ اختلاط از دست بدہ سرمایہٗ آرام و فراغت بہ کفِ آر

دنیا میں اگر گوشہٗ عزلت مل جائے لازم ہے تجھے عروسِ راحت مل جائے
جب تک ہے اس اختلاط کا شوق تجھے ممکن نہیں آرام و فراغت مل جائے

— ۱۲۷ —

سرشتہ اختیار با یار گزار خود را ز غم و محنت بے ہودہ برآر
این عمر گرامی کہ تمامی ہوں است با یار بسر بہر بہ غفلت مسپار

خالق ہی ترا دوست ہی تو دوست کا ہو بے ہودہ نہ کر رنج نہ بے ہودہ رو
یہ عمر گرامی ہے فقط حرص و ہوا طاعت میں گزار اور غفلت میں نہ کھو

— ۱۲۸ —

دل را بہ خیال یار خوشنود بدار سرشتہ این دولت سرمد بکف آر
گنج است کہ رنجش نہ بود آخر کار سودا است کہ سودش بود افزون شمار

رکھ اس کے تصور سے تو دل کو خوشنود اس دولت سرمد میں ہی تیری بہبود
یہ گنج ہے ایسا کہ نہیں اس میں رنج اس سودے میں اندانے سے باہر سود

—۱۴۹—

یار ببحرم مرا ز گرداب برآر از بحر گناہ کشتیم گیر کنار
جرم من احسان تو بی حد و حساب این طرفہ حساب است کہ ناید بشمار

یار مجھے گردابِ معاصی سے نکال ڈوبے نہ بھنور میں مری کشتی کو بنگھال
ہر چیز گنہ میرے ہیں بے حد و حساب لیکن تری رحمت کو بھی حال ہو کمال

—۱۵۰—

ممکن نہ بود کہ یار آید بکنار خود را ز خیالِ خام و اندیشہ برآر
ہر چیز کہ غیر اوست در سینہ تست بسیار حجابیت میان تو و یار

پائے گانہ تو اس کو نہ کہ بات بہت بے کار نہ ہو مخو خیالات بہت
ہے الفت ماسوا ہی تیرے دل میں تجھ سے تو ابھی ہے دوری ذات بہت

— ۱۵۱ —

دل از غم عشق جان شود آخر کار سر رشتہ این عمر ابد را بکف آرد
خواہی کہ نصیب تو شود بوس و کنار ز نہار از و بگیر یک لحظہ کنار

ہوتا ہے غم عشق سے دل زندہ ضرور یہ عمر ابد پانے کا ہے اک دستور
اے زندہ دل و حسرتی بوس و کنار دم بھر بھی نہ کر اس کی جدائی منظور

— ۱۵۲ —

یار بچہ کنم گذشت جرم ز شمار کشتی دل خستہ ز گرداب برآر
در بحرِ خجالت و ندامت عرقم فضل تو کند چارہ بگیر و بکنار

یار میرے عصیاں کا نہیں کوئی شمار ہے کشتی دل ایک تو گرداب ہزار
دل بحرِ خجالت و ندامت میں ہے غرق ہو فضل اگر تیرا تو لگ جاؤں پار

—۱۵۳—

از ماہ رخاں اگر نگیری تو کنار لذت نہ بری بیشتر از بوس و کنار
 این سیم بران شیفۃ سیم و زرا اند نقد دل و جان بدست ایشان سپار

جب تک ہے تجھے ماہ جینوں سے پیار کچھ لطف نہ دیں گے تجھے یہ بوس و کنار
 دولت کے فدائی ہیں حینانِ جہاں نقد دل و جان اُن کو نہ دے تو زہار

—۱۵۴—

جرم من و فضل یار افزون ز شمار این ہم چو حسابیت کہ من دانم و یار
 چشمِ کرمش عاشقِ حسن گنہ است زہار ز کردارِ بد اندیشہ مدار

ہے جرمِ فزوں اور کرم اس سے فزوں وہ اس کو سمجھ رہا ہے یا میں سمجھوں
 ہے اس کا کرم حسن گنہ کا عاشق کیوں موجبِ اندیشہ ہوں اعمالِ زبوں

—۱۵۵—

ہر جا کہ شود ساقی گلفام دو چار شکرانہ این نمازِ اول بگذار
غافل نشوی ز نشہ عجز و نیاز ہشیار کہ آخر نکستی رنج خسار

مل جائے تجھے جو ساقی لالہ عذار جھک سجھے میں شکرانہ آداب گزار
تو عجز و نیاز کا نشہ ترک نہ کر آخر کو اٹھائے نہ کہیں رنج خار

—۱۵۶—

چیزی کہ درو عیب بود نیست ہنر آمیزشِ خلق است بگیرش کمتر
بسیار می اختلافِ مردم رنج است گفتم تو ہر چند کہ کمتر بہتر

سو بات کی اک بات ہے پیشِ نظر رکھ اہل زمانہ سے تعلق کم تر
ابنائے زمانہ سے بہت میل نہ رکھ جتنا بھی یہ ربط کم ہو اتنا بہتر

 ≡ ۱۵۷ ≡

چون معنی و لفظ ما و او را بنگر چون چشم و نگہ جدا و یک جا بنگر
یکدم نہ کسی جدا نیابی ہرگز مانند گل و بوست بہر جا بنگر

دالستہ ہیں اس سے لفظ و معنی کی طرح یعنی نگہ و دیدہ بینا کی طرح
ظاہر کی جدائی یہ جدائی سمجھو ہم ایک ہیں بو گل و گیاہ کی طرح

 ≡ ۱۵۸ ≡

من جرم خود و لطف تو دارم بہ نظر پیوستہ ازین ہر دو حسابست خبر
از من چہ شد چہ می کند احسانت میزان تامل شدہ ام شام و سحر

ہے اپنے گنہ پر اور رحمت پہ نظر دونوں کے حسابات کی ہر مجھ کو خبر
عصیاں سے زیادہ ہے کرم مجھ پہ ترا ان دونوں کو تو تاہوں میں شام و سحر

—۱۵۹—

دل خوش نشوی ز وصل دنیا ہرگز ماہر نہ اریم ز آنہا ہرگز
جز ساقی و جام نیست غمخوار کسی از دست مدہ گردن مینا ہرگز

کر دل کو نہ محو غم دنیا ہر دم اس سے تو فقط رنج لے گا ہر دم
غم خوار نہیں کوئی بجز ساقی و جام رکھ ہاتھ میں تو گردن مینا ہر دم

—۱۶۰—

چون نقشِ نگیس در پی نامی تو ہنوز جان مسکینی و در پی کامی تو ہنوز
از خرمن عمر خوشہ تو شہ بگیر ہنگام در و رسید و خامی تو ہنوز

تو مثلِ نگیس ہے بندہ نام ابھی مرا ہے مگر پھر بھی ہے ناکام ابھی
لے عمر کے خرمن سے عمل کا تو شہ پکنے کے ہیں دن تو ہے مگر خام ابھی

—۱۶۱—

از بواہوسان کام نیابی ہرگز این طائفہ آرام نیابی ہرگز
صد سال اگر جان کنی، ہچو نگین بدنام شوی نام نیابی ہرگز

یہ اہل ہوس ہونے نہ دیں گے خوش کام ان سے نہ ملے گا تجھ کو ہرگز آرام
سوسال اگر مثل نگین گھستا رہے لے نام کے طالب تو ہے گا بدنام

—۱۶۲—

فارغ نشدی ز خود پسندی ہرگز آگہ نشدی ز سود مندی ہرگز
خواہی درجہاں یک طرف اغشے غیر از طرفی طرف نہ بندی ہرگز

کی ترک نہ تونے خود پسندی ہرگز دیکھا نہ جمال سود مندی ہرگز
رفت کا ہے خواہاں تو فقط ایک کاہر جز اس کے نہ پائے گا بلندی ہرگز

—۱۶۳—

جز فضلِ خدا کار نہ دارم ہرگز اندیشہ کردار نہ دارم ہرگز
 او داند و عصیانِ من و مغفرتش من کار باین کار نہ دارم ہرگز

جز فضلِ خدا یار نہیں رکھتا ہوں اندیشہ کردار نہیں رکھتا ہوں
 کیا میرے گنہ اور ہے کیا اس کا کرم میں اس سے سروکار نہیں رکھتا ہوں

—۱۶۴—

ای دل زہوا و ہوس از بہر دو روز خود را و مرا ز آتش جانسوز مسوز
 ہنگامِ جوانی شد و پیری آمد این آتش افسردہ بدامن افروز

ہاں لے دلِ شوریدہ ہوس سے باز آ اس آگ میں جل جل کے تو مجھ کو نہ جلا
 گزرا ہے شباب اور پیری آئی خاموش ہے جو آگ نہ اس کو بھڑکا

—۱۶۵—

دل شاد مشور دہرسانی ہرگز گر شاہی و گر گدا منسانی ہرگز
باید کہ درین دوروز غافل نشوی یک دم ز خیال یارِ حبانی ہرگز

رکھے گانہ خوش جہان فانی ہرگز عیسر نہیں ہے جاودانی ہرگز
لازم ہے یہی بات کہ تیرے دل سے نکلے نہ خیالِ یارِ جانی ہرگز

—۱۶۶—

دنیا بمرادِ خویش تن خواہی و بس عقبیٰ تو نہ کر دی ز خداوند ہوس
چو نیست نہ دنیا و نہ عقبیٰ بدہند افسوس ندامت ز جہان باید و بس

دنیا ہی کی ہر وقت ہوس کی تُو نے عقبیٰ نہ خداوند سے مانگی تُو نے
حاصل دنیا ہوئی نہ عقبیٰ تجھ کو افسوس ندامت ہی اُٹھائی تُو نے

—۱۶۷—

زادہ بخت نیست ترا بہرہ ز ہوش از زہد و ریا تو بہ کن و بادہ بنوش
 لبریز حقیقت است آئینہ و جام ہم صورت و معنی ست در جوش و خروش
 لے زادہ خود ہیں تجھے مطلق نہیں ہوش یہ زہد و ریا چھوڑ کے ہو جائے نوش
 لبریز حقیقت سے ہیں آئینہ و جام ظاہر بھی ہے باطن بھی یہاں جلوہ فروش

—۱۶۸—

لے دل زہوا و ہوس آزار کش ایں بارگراں بدوش ز نہار کش
 عمرت نبود بہت در طولِ املت از بہر دور روز رنج بسیار کش
 ہے حرص اک آزار نہ آزار اٹھا لے دل نہ یہ اندوہ گراں بار اٹھا
 ہے عمر تو کم اور تمتائیں بہت دودن کے لیے رنج نہ ز نہار اٹھا

— ۱۶۹ —

زاہد بہ نصیحت تو بسیار مگوش از آتش عشق اوست این دگوش
ہشیار شود بہ بین کہ خم خانہ دل از بادہ عشق کیست ہست دہوش و خروش

زاہد نہ مرے سامنے ہو پند فروش ہے عشق کی آتش سے مراد دل پر جوش
کچھ ہوش بھی کر دیکھ کہ میرے دل میں ہے بادہ عشق کا بہت جوش و خروش

— ۱۷۰ —

اے یار دریں میکدہ بے یار مباحث بے ساقی گلزار ز نہار مباحث
این جامِ جہان نما بہر کس نہ ہند غافل تو ازین دولتِ بیدار مباحث

اس میکدے میں دور نہ ہو یار سے تو بے رُخ نہ ہو ساقی طر حدار سے تو
یہ جامِ جہاں نما نہیں سب کے لیے غافل نہ ہو اس دولتِ بیدار سے تو

— ۱۴۱ —

صہبائی خیالِ یار پیوستہ بنوش از بہر دور و دین بدنیا مفروش
 این آتشِ خواہش کہ تو افروختہ طوفان بشود اگر نہ گرد و خاموش

ہو مستِ خیالِ یار ہو جائے نوش دنیا کی ہوس میں ہو نہ ایمان فروش
 یہ آتشِ خواہش جو ہوئی ہے روشن بن جائے گی طوفانِ جو نہ ہوگی خاموش

— ۱۴۲ —

باخرقہ مشو یار غلط گیر غلط این زہدِ زیان کار غلط گیر غلط
 سر رشتہ مہر یار در دست بیار این سچہ و زنا ر غلط گیر غلط

ظاہر کا یہ کردار غلط صاف غلط یہ زہدِ زیاں کار غلط صاف غلط
 ہاتھوں سے نہ چھوڑ رشتہ عشقِ خدا یہ سچہ و زنا ر غلط صاف غلط

دنیا نشود آخر دم با تو رفیق در راہ خدا کوش رفیق است شفیق
 خواہی کہ سر منزل دلدار رسی گفتہ بہ تو اے دوست بہین است طریق
 دنیا دم آخر کبھی ہوگی نہ رفیق اک یاد خدا راہ خدا میں ہے شفیق
 تو پوچھتا ہے منزل دلدار کا راز میں کہتا ہوں اس کا ہے ہی ایک طریق

خواہی نہ رسد پائی تو ہرگز بر سنگ بگذر ز خودی مکن درین راہ درنگ
 پیوستہ جدائی مکن از خواہش دل یا نفس شتمکارہ خود باش بجنگ
 خواہش ہو اگر کہ زسیت تجھ پر نہ ہو تنگ کر ترک خودی اور نہ کر اس میں درنگ
 بیگانہ ہی رہ خواہش دل سے ہر دم ہنفس شتمکار سے آمادہ جنگ

اندیشہ تدبیر تو پا لیت بہ سنگ
در بیشہ اندیشہ نہان است پلنگ
تقدیر قوی بدان و تدبیر ضعیف
این قوت و ضعف را مینداز بجنگ
تدبیر کے دوسے ہیں پابستہ سنگ
اس دشت میں ہیں مقیم خو خوار پلنگ
تقدیر قوی ہے اور تدبیر ضعیف
اس قوت و ضعف کو نہ کر مائل جنگ

دیوانگی دلم بود عقل کمال
آشوبِ محبت است بیرونِ خیال
گنجائشِ بحر در سبہ ممکن نیست
ہر حنپہ کہ گویند خیال است محال
دیوانگی دل ہے مرا ز عم کمال
آشوبِ محبت میں ہے باطل یہ خیال
ممکن ہے سبہ میں کبھی گنجائشِ بحر
کہنے کو کہے جائیں مگر ہے یہ محال

—۱۷۷—

خواہم دلِ پژمرده شود تازہ چو گل جانِ نغمہ سرا بود برنگِ بلبُل
ایامِ خزاں جوشِ بہاری بزم بالالہ رخی نوشِ کنم ساغرِ مِل

خواہش ہے کہ دل میں بھی ہو رعنائیِ گل ہو نغمہ سرا جان بھی مثلِ بلبُل
ایامِ خزاں میں بھی ملے لطفِ بہار بیٹھوں میں حسینوں میں پیوں ساغرِ مِل

—۱۷۸—

این رشتہٗ طولِ امل از دلِ بگسل تا درد و بہانِ کئی فراغتِ حاصل
این گلشنِ عمرِ آن قدر نیست کہ ہست در بارِ خیالِ بُوئی از غنچہٗ دل

یہ طولِ امل چھوڑ بھی دے اے غافل آرامِ اسی ترک سے ہو گا حاصل
وسعتِ تری عمر میں تو اتنی بھی نہیں جتنی ہو تصور میں بوئے غنچہٗ دل

این مالِ جهان تمام رنجست و وبال اندیشہ بکن بہ بین کہ وہم است خیال
کاریکہ از اول بودش رنج و ملال مالست ز مختش وبال است مال

یہ دولتِ دنیا تو سرا سر ہے وبال تو غور کرے اس پہ تو ہے وہم و خیال
آغاز ہی جس کام کا ہو رنج و ملال دولت ہی سہی نیک نہیں اس کا مال

آن را کہ بود بہرہ از عقل و کمال بیرون رود از دائرہ فکر و محال
در گوشہ میخانہ تماشا بکند شمع است یکی ہزار فانوس خیال

وہ شخص کہ حاصل ہے جسے عقل و کمال کرتا نہیں مطلق وہ غم و فکر محال
میخانے کے گوشے میں وہ یہ دیکھتا ہے ہے شمع تو ایک لاکھ فانوس خیال

—۱۸۱—

این سہل تمناست کہ در موسم گل او بر خورد و کشم بہ سرموسم گل
ہر گاہ شود و چار پندار بہار گر فصلِ خزان است دگر موسم گل
شیدائی شاہد ہو کہ شیدائے بہار ہو چہرہ محبوب کہ سیائے بہار
موسم ہو بہار کا کہ ہو فصلِ خزان ہر حال میں ہوتی ہے تنائے بہار

—۱۸۲—

در فصلِ خزان تو بہ شکستن مشکل با ساقی و می عہد بہ بستن مشکل
ہنگامِ خزان بہار آمد بہ کنار زین دردِ شکست است رستن مشکل
پت جھڑپیں ہے تقوے سے کنار مشکل ہے ساقی و می سے بھی مدار مشکل
لیکن ہو خزاں اور ہو پہلو میں بہار رہ کہ پابند ہے گزارا مشکل

—۱۸۳—

از عاقبت کار چو گشتم غافل شد عمر باندوہ و غم کا ہنسِ دل
پیوستہ بخود ہمین حکایت دارم زین عمر گراںمایہ چہ کردی حاصل

انجام سے کیوں رہا میں اتنا غافل کیوں ساتھ رہی ہے عمر بھر کا ہنسِ دل
ہر وقت یہی خیال ہے پیشِ نظر اس عمر گراں مایہ کا ہے کیا حاصل

—۱۸۴—

افسوس در اندیشہ و در فکر و خیال سرمایہ عمر شد بہ غفلتِ پا مال
از فکرِ مالِ کارِ بی فکرِ شدم ہر فکر کہ کر دیم خیالست محال

افسوس کہ دل میں ہے یہی فکر و خیال غفلت میں ہوئی عمر گرامی پا مال
انجام کی فکر میں نے دم بھر بھی نہ کی جو کچھ بھی کیا خیال، تھا امر محال

— ۱۸۵ —

با نفسِ ستم گار بہ جنگم ہر دم در بحر وجود خود نہنگم ہر دم
 رو باہ بود حرص و ہوا در نظرم در بیشہ اندیشہ پلنگم ہر دم
 دن رات رہی نفسِ ستم گار سے جنگ ہوں اپنی ہی ہستی کے سمندر میں نہنگ
 میں حرص و ہوا میری نظر میں رو باہ میں دشتِ خیالات میں ہوں ایک پلنگ

— ۱۸۶ —

من معنیٰ احسان و کرم فہیدم میزانِ تا مل شدم و سنجیدم
 چشمِ کر مش عاشقِ حسن گنہ است آنجا سخنی نیست مگر رو دیدم
 احسان و کرم تیرا ہے مجھ پر ہر دم سوچا ہے اے غور سے میں نے پیہم
 گنجائشِ شک نہیں ذرا بھی اس میں عاشق ہے گناہوں کی تری چشمِ کرم

—۱۸۷—

تہا کی بدل اندیشہ اعمالِ کنم غمگین شدم و خیالِ احوالِ کنم
بر فضلِ کنم تکیہ و اندیشہ چہرا از ماضی و مستقبل و از حالِ کنم

اعمال کا ڈر دور کر اپنے دل سے غمگین نہ ہو راہ میں غم منزل سے
ہو چشمِ کرم اس کی تو کیا حال کا ڈر کیا خوف تجھے ماضی و مستقبل سے

—۱۸۸—

در دائرہ خیال او پایندم صد شکر بیاوش ہمہ دم خرسندم
از دامِ ہوا و ہوسِ دینِ رستم این بار گران زدوشِ دل افگندم

خود اپنے خیالات کا پایند ہوں میں صد شکر تری یاد سے خرسند ہوں میں
رکھی نہیں دل میں دینِ دنیا کی ہوس اس بوجھ کو پھینک کر تنومند ہوں میں

۱۲۱

۱۸۹

سرمہ چو طلسم را کہ دروا کردم در شام دریچہ سحر وا کردم
ہر چند کہ خواب را ز سروا کردم دیدم ہمہ خواب تا نظر وا کردم

وا کر کے طلسم کو جو یک دم دیکھا ظلمات میں تنویر کا عالم دیکھا
جتنی بھی میسر ہوئی بیداری دل اتنا ہی اسے خواب مجسم دیکھا

۱۹۰

یارب تو عطا کن ز قناعت گنجم عمریست کہ از حرص و ہوا در بزم
دین را نہ توان کرد بدنیاسودا ہر لحظہ بہ خود سود و زیان می بسجم

یارب مجھے بخش دے قناعت کا گنج ہے حرص کا حاصل تو فقط بئج ہی بئج
دنیا کے عوض دین کا سودا ہے محال ہے آنکھ مری سود نظر نقصاں بئج

۱۲۲

۱۹۱

خود را ہمہ تن حرص و ہوس یافتہ ام ہر چند کم از حبابِ دُخس یافتہ ام
این نفسِ شتمکار کہ پُر از شور است در بحرِ وجودِ یک نفس یافتہ ام

کچھ بھی نہیں ہستی مری جز حرص و ہوس میں بلبلا پانی کا ہوں یا ریشہٴ دُخس
یہ نفسِ شتم کار ہے پُر شور بہت ہستی کے سمندر میں یہی چیز ہے بس

۱۹۲

آن شوخِ بنِ نظر نہ دارد چہ کنم آہِ دلِ من اثر نہ دارد چہ کنم
با آنکہ ہمیشہ در دلم می ماند از حالِ دلم خبر نہ دارد چہ کنم

رکھتا نہیں وہ شوخِ ذرا مجھ پہ نظر آہِ دلِ سوزاں میں بھی دیکھانہ اثر
ہر چند وہ رہتا ہے ہمیشہ دل میں افسوس مرے دل کی نہیں اس کو خبر

۱۲۳

۱۹۳

چیزی کہ گہی بہ کار ناید ما ایم آن نخل کزو بار نہ آید ما ایم
کر دیم حساب ویش خود سنجیدیم آن ذرہ کہ در شمار ناید ما ایم

جو چیز ہے بے کار سراسر ہم ہیں جو نخل ہے بے بار سراسر ہم ہیں
جس ذرے کو ہستی پہ رہا ناز بہت وہ راندہ بازار سراسر ہم ہیں

۱۹۴

سلطانِ خودم منت سلطان نہ کشم از بہر دوناں منتِ دوناں نہ کشم
نفسِ من سگ است و من سگ بانم از بہر سگی منتِ سگبان نہ کشم

سلطان ہوں خود منتِ سلطان کیسی ٹکڑوں کے لیے منتِ دوناں کیسی
سگ ہے یہ مرا نفس تو سگ بان ہوئی اک سگ کے لیے منتِ سگبان کیسی

گر والہ دشت و باغ گوئی ہستم گر شیفۃِ ایاغ گوئی ہستم
 کہ طالبِ دین و گاہ دنیا طلبم سرگشتہٗ این سراغ گوئی ہستم

وارفتہٗ باغ ہوں یہ بالکل سچ ہے سرستِ ایاغ ہوں یہ بالکل سچ ہے
 طالب ہوں کبھی دین کبھی دنیا کا سرگرم سراغ ہوں یہ بالکل سچ ہے

دیوانہٗ رنگینی یارِ دگرم حیرت زدہٗ نقش و نگارِ دگرم
 عالمِ ہمہ در فکر و خیالِ دگر است من در غم و اندیشہٗ کارِ دگرم

دنیا سے الگ مرکزِ الفت ہے کچھ اور جو نقش ہوا موجبِ حیرت ہے کچھ اور
 اربابِ ہوس کو ہے کوئی اور ہی فکر مجھ کو غم و اندیشہٗ وحسرت ہے کچھ اور

۱۲۵

۱۹۷

از اشکِ جگر تمام دریا شدہ ام آشفۃ و دیوانہ صحرا شدہ ام
از صحبتِ ہمدان، بوحدت قسم است تنہا شدہ ام رفیقِ عنقا شدہ ام

آنسو میں رواں اتنے کہ دریا ہوں میں آشفۃ و دیوانہ صحرا ہوں میں
ہم نہیں کوئی تری وحدت کی قسم عنقا کا رفیق ہوں وہ تنہا ہوں میں

۱۹۸

این جوشِ حباب از قدیم است قدیم این نقشِ سراب از قدیم است قدیم
لب تشنہ طرحِ نوست این کہنہ رباط این خانہ خراب از قدیم است قدیم

یہ جوشِ حباب اتنا ہے کہنہ کہ نہ پوچھ یہ نقشِ سراب اتنا ہے کہنہ کہ نہ پوچھ
ہے سخت ضرورت اسے طرحِ نو کی یہ خانہ خراب اتنا ہے کہنہ کہ نہ پوچھ

ہر لحظہ گرفتار بصدِ تقصیرم از خواہش دل شام و سحر دلیگرم
خواہم کہ ازین دام رہائی بہ برم تقدیر اگر نیست درین تدبیرم

اک دام ہے یہ کثرتِ تقصیر مری ہے خواہش دل سے طبعِ دلیگرمی
جی میں ہے کہ اس دام سے ہو جاؤں رہا قسمت میں نہیں تو کیا ہے تدبیر مری

آشفته آن زلفِ گرہ گیر شدم تدبیر نہ این بود و ز تقدیر شدم
در حلقہ آن زلفِ اسیرم کردند از شومئ عقل پا بہ زنجیر شدم

وہ زلفِ پریشاں جو گلو گیر ہوئی تدبیر کی دشمن مری تقدیر ہوئی
دل اُس میں کچھ اس طرح گرفتار ہوا گویا وہ مرے پاؤں کی زنجیر ہوئی

در زیرِ فلک عیش نہ کر دم یک دم شد عمر گرامی ز کف از درد و الم
در دولتِ دنیا دو طرف نقصانست بیماری اورنج و کمی مایہ غم

دنیا میں کبھی عیش نہ پایا یک دم دیکھے ہیں تمام عمر بس درد و الم
ہے دولت دنیا میں دو طرفہ نقصان بیشی میں بھی غم اور کمی میں بھی ہر غم

از کردہ خویش منفعل بسیارم عمر بیت کہ پیوستہ درین آزارم
چیزی کہ نباید بشود از من شد بر فضل نظر بکن نہ بر کردارم

ہوں اپنے کیے پر میں بہت شرمندہ آزار ہے جب تک بھی یہاں ہوں زندہ
کردار تو ہرگز نہیں پایندہ مرے بہتر ہے کہ ہو فضل ترا پایندہ

افسوس کہ از خواہش دل مردودم در راہ غرور نفس خود پیہودم
چون پیر شدم قبول دنیا کردم این بارِ گران چرا بخود افزودم

آرام ہوس میں کچھ نہ پایا میں نے مغرور بہت دل کو بنایا میں نے
جب پیر ہوا قبول دنیا کر لی کیوں بارِ گراں اتنا بڑھایا میں نے

من تخم ہوس کا شستہ ام غم گینم ✓ صد رنگ گلِ داغ ازومی چینم
طوفان بشود اگر نہ گردد خاموش این آتش خواہش کہ بخود می بینم

میں تخم ہوس بوکے ہوا ہوں نالاں داغوں سے بھرا ہوا ہے دل کا داماں
شعلوں کو بجھانا ہے نہایت لازم یہ آتش حرص ہے بنے گی طوفاں

— ۲۰۵ —

در معصیت جوان بظاہر پیرم عمریت کہ پابند باین زنجیرم
امید نجات است زیک فضل ہزار ہر چند گرفتار بصد تقصیرم

عصیاں میں جواں ہوں مین ظاہر ہوں پیر مدت سے ہے پاؤں میں گنہ کی زنجیر
تھوڑا سا کرم پھر بھی ہے کافی مجھ کو ہر چند عمل سے ہوں سراپا تقصیر

— ۲۰۶ —

از فضل خدا ہمیشہ راحت دارم بانانِ جوم قانع و ہمت دارم
فی بیم ز دنیا ست نہ اندیشہ دین در گوشہٴ مے خانہ فراغت دارم

ہے فضل خدا باعثِ راحت مجھ کو ہے نانِ جویں ہی پہ فناعت مجھ کو
دنیا ہی کا خون ہے نہ ہے دین کی نکر مے خانے میں حاصل ہے فراغت مجھ کو

— ۲۰۷ —

رنگ گل از گلشن صنعت چیدم معنی گناہ و مغفرت فہیدم
در صورتِ اظہار بسی حیرانم آئینہ صفت بہ چه کہ دیدم دیدم

صنعت کے چمن میں رنگ گل کو دیکھا مفہوم گناہ و مغفرت کا سمجھا
آئی نہ نظر صورتِ اظہار مجھے آئینہ صفت دیکھ کے حیران رہا

— ۲۰۸ —

در سوز و گداز ہا تماشا کردم یک جا نہ ہزار جا تماشا کردم
سر رشتہٗ روشنی بدستِ دگرست پروانہ و شمع را تماشا کردم

سوز اور گداز کا اچنبھا دیکھا پروانہ و شمع کا بھی جلنا دیکھا
رشتہٗ تو ضیا کا ہے کسی اور کے ہاتھ ہر ایک جگہ یہ راز افشا دیکھا

صد شکر کہ از یار تر حسم دیدم احسان و کرم بحالِ خود نہیدم
نخلی کہ نشانید ثمر می بخشد آخر گلی از باغِ محبت چیدم

صد شکر کہ سر پر ہے خدا کا سایا احسان کیا اس نے کرم فرمایا
باغِ الفت کے پھول بخشے مجھ کو بویا تھا جو نخل اس کا پھل بھی کھایا

مایئم درین دیار پیوستہ بجام ساقی بکنارِ ست می ناب بجام
زادہ چو خم بادہ بگونی تو حرام این بادہ حلال است بنگیرم بجام

ہم زندہ ہیں رہتے ہیں ہمیشہ خوش کام آغوش میں ساقی ہے تو پرے سے ہر جام
اے زادہ نا فہم نہیں ہوشِ بے تھے جو ہے حلال اس کو تو کہتا ہے حرام

احسان و کرم ز حیرت افزون دیدم میزان شدم و ہر دو طرف بنجیدم
پیش آمد کارِ من ندامت شدہ است معنی گناہ و مغفرت فہیدم

احسان و کرم تیرا ہے عصیاں سے سوا خود بن کے ترا زو اسے میں نے تولا
جو کام کیا اس نے ندامت بن کر مفہوم گناہ و مغفرت سمجھایا

افسوس کہ مخلوق پرستی کر دم وز ہمتِ پست رو بہ پستی کر دم
این بادہ خمار داشت ہشیار شدم ایامِ شباب بود مستی کر دم

افسوس کہ مخلوق پرستی کی ہے رسوا و ذلیل اپنی ہستی کی ہے
اس مے کے خمار سے تھا بچنا لازم تھا عہدِ شباب اس لیے مستی کی ہے

بسیار ضعیف و ناتوانست دلم از جوہرِ جہانِ نیان بجانست دلم
گاہی غمِ دنیا و گہ اندیشہٴ دین زین رہ دو دلم کہ در میانست دلم

ناطقتی و ضعف سے حیران ہے دل ظلم اتنے ہیں دنیا کے کہ ہلکان ہے دل
دنیا کا کبھی غم کبھی اندیشہٴ دین اس طرفہ دور ہے پہ پریشان ہے دل

چیزیکہ من از جہان بجان می طلبم جان را سلامت ز جہان می طلبم
از مردم دنیا وز دنیا شب و روز دیگر ہو ستم نیست امان می طلبم

جس میں نہ ہوں ہو وہ جہاں چاہتا ہوں زندہ رہوں جس میں وہ مکاں چاہتا ہوں
اللہ بچائے مجھے اس دنیا سے میں اس کے مظالم سے اماں چاہتا ہوں

— ۲۱۵ —

ہر شام و سحر در غم افعال خودم دل خستہ و شرمندہ احوال خودم
آیا چہ بود آمل کاری کہ بشر پیوستہ در اندیشہ اعمال خودم

ہر شام و سحر نام افعال بھی ہوں مغموم بھی شرمندہ احوال بھی ہوں
معلوم نہیں آمل عصیاں کیا ہو ہر وقت خجالت کش اعمال بھی ہوں

— ۲۱۶ —

محنت بجهان کشید بسیار دلم ہر شام و سحر بود در آزار دلم
ناگاہ خیال یار آمد بہ کنار زین بارِ گران گشت بُکسار دلم

دنیا کی جفاؤں سے گراں بار ہو دل ہر شام و سحر موردِ آزار ہے دل
جب سے اُسے آیا ہے خیالِ محبوب اس بوجھ سے صد شکر بُکسار ہے دل

— ۲۱۷ —

لے محرم جان و دل بہ بہر تو قسم شرمندہ کردار خود و فضل تو ام
پیوستہ بخود حساب دارم ہر دم از من عصیان ز تو ہم احسان و کرم

لے محرم جاں تیری محبت کی قسم شرمندہ کردار ہے بندہ ہر دم
ہر وقت کی گنتی سے یہی پایا ہے مجھ سے ہے گنتہ تجھ سے ہی احسان و کرم

— ۲۱۸ —

آنی کہ بدست تو بود شادی و غم کس نیست بغیر از تو بر آرد از غم
دیدم ہمہ را و آزمودم ہمہ را پیوستہ توئی صاحب احسان و کرم

تو وہ ہر تھے ہاتھ میں بے شادی و غم معلوم تجھی کو ہے ملا دوائے الم
دیکھا سب کو ہے آزمایا سب کو ہے تو ہی فقط صاحب احسان و کرم

— ۲۱۹ —

چیدم گلِ جام و سیر گلشن کردم از باغ مراد گل بدامن کردم
نوروزِ بہارِ فیض را سیر بجن ہنگامِ خزاں میل شگفتن کردم

پیتا بھی رہا سیر چمن بھی کر لی گل ہائے مراد سے بھی جھولی بھری
وہ فیض بہار میں نظر آئے مجھے ہنگامِ خزاں کھلنے کی تہمت سر لی

— ۲۲۰ —

از قوتِ جگر ہنوز لختی دارم ز اسبابِ حیات جانِ سختی دارم
آزادہ روشِ گفت در کشور فقر گو تختِ مباحث تیرہ سختی دارم

کھانے کے لیے جگر کا اک لخت تو ہے سامانِ حیات ایک دلِ سخت تو ہے
کیا خوب اک آزاد نے یہ بات کہی گو تخت نہیں پاس یہ سخت تو ہے

— ۲۲۱ —

پیوستہ درین دیار با دیدہ نم در بحر خجالت و ندامت غرقم
خواہم کہ نگر دم ز تو غافل یک دم افسوس، ازین غفلت ہر دم ہر دم

ہر وقت رہی ہیں مری آنکھیں پر غم ہوں غرقِ خجالت و ندامت ہر دم
خواہش ہے کہ تجھ سے کبھی غافل نہ رہوں افسوس کہ غافل ہی رہا ہوں پیہم

— ۲۲۲ —

از دیدہ دل حسنِ دو عالم دیدم میزانِ شدم و نیک بدش بنجیدم
ہر سر کہ گران بار بود سنگِ دل ست ہر خستہ سری سبک بود فہیدم

دیکھا ہے غور سے دو عالم کو مدام تو لا ہے بد و نیک کو میں نے ہر گام
بھاری ہے جو سر دل کے لیے زحمت ہے خستہ ہے جو سر دل کے لیے ہے آرام

—۲۲۳—

بر روی زمین اگر بمانی دوسہ دم بینائی فلک گرد دہت ساغر جم
ز نہار مکن قبول دل خوش نہری بسیار خار دارد این نشہ سم

دودن ہوا اگر حیات تیری ہم دم تقدیر تری دے بھی تجھے ساغر جم
ہرگز نہ قبول کرنے اس پر خوش ہو توڑے گا تری جان یہ نشہ سم

—۲۲۴—

ہر چند کہ چندین گنہ از خود دیدم احسان و کرم بیش از ان فہیدم
شرمندہ بہین فضل و کرم کردمرا میزانِ تامل شدم و سنجیدم

ہر چند ہوں پر گناہ میں اے غفار لیکن ترے احسان کا نہیں کوئی شمار
پلہ ہے تری رحمت و بخشش کا گراں تو لاہے ترازو میں بھی اس کو سوار

—۲۲۵—

تا چند کنم گناہ یارب ہر دم از فضل تو وز کردہ خود منفعلم
آیا چہ کند نہ متقی آخر کار بسیار می جرم وبے حیائی کردم

ہوتے ہیں گناہ مجھ سے یارب پیہم شرمندہ ہوں میں اپنے کیے پر ہر دم
زاہد تو نہیں ہوں میں کروں کیا آخر ہر وقت ہے جرم وبے حیائی کا غم

—۲۲۶—

در گوشہ فکر سیر دنیا کردم از بہر خود آرام مہیا کردم
ہر نیک و بدی کہ بیند از جانہ رود این وضع ز آئینہ تماشا کردم

کی گوشہ نشینی ہی میں سیر دنیا آرام کا سامان کیا یوں پیدا
اچھا کہ بُرا جو بھی ہو دیکھے جاؤ آئینے سے یہ شعار میں نے سیکھا

—۲۲۷—

پابند مشو بہ رنجِ دنیا گفتم دل شاد مکن بکوه و صحرا گفتم
عالم ہمہ پابندِ سراب است بہ ہیں اے جوشِ حباب و موجِ دریا گفتم

یہ فکر یہ غم یہ رنجِ دنیا سب جھوٹ ستانہ یہ سیر کوہ و صحرا سب جھوٹ
دنیا کو سمجھ خوب کہ ہے ایک سراب یہ جوشِ حباب و موجِ دریا سب جھوٹ

—۲۲۸—

باید نکشی ز خلقِ منت گفتم گر صاحبِ فطرتی و ہمت گفتم
این است خیالِ خام ہرگز نہ کشتی بر پردہٴ عنکبوت صورت گفتم

دنیا کا نہ ہو رہینِ منت سُن لے اے صاحبِ دل صاحبِ ہمت سُن لے
تصویرِ کشتیِ مکرمی کے جا لے پہ نہ کر بے کار ہے کوشش کی یہ صورت سُن لے

افت بہ غم یار گرفت دلم بر دوش گران بار گرفت دلم
زاہد بہ نصیحت تو بسیار مکوش در پیش دگر کار گرفت دلم

دل کو غم یار ہی سے الفت ہے مدام یہ ایسا سفر ہے کہ نہیں جس کا مقام
زاہد تو نصیحت میں نہ کر وقت خراب دل کی تو نگاہ میں ہے کچھ اور ہی کام

با فکر و خیال کس نباشد کارم در طورِ غزل طریق حافظ دارم
اتا بر باعی ام مریدِ خیاں فی جرعہ کش بادہ او بسیارم

سب سے جدا میری غزل عام نہیں حافظ کی طرز کے سوا کام نہیں
ہوں صنفِ رباعی میں مریدِ خیاں گو جرعہ کش بادہ خیاں نہیں

—۲۳۱—

از نقش بر آب ہر چہ گفتم، گفتم وز جوشِ حباب ہر چہ گفتم، گفتم
 این عالمِ پیری و زبَانِ خاموش ایامِ شباب ہر چہ گفتم، گفتم
 ہے نقش بر آب میں نے جو کچھ بھی کہا ہے جوشِ حباب میں نے جو کچھ بھی کہا
 اب دن میں بڑھاپے کے زبانِ خاموش ہے فکرِ شباب میں نے جو کچھ بھی کہا

—۲۳۲—

ہرگز بخدا زہدِ رِیائی نہ کنم غیر از معرفتِ گدائی نہ کنم
 شاہی کنم و ملکِ فراغت گیرم پیوستہ ز میخانہ جدائی نہ کنم
 میں اور کروں زہدِ رِیائی تو بہ غیروں سے سحرِ خدا گدائی تو بہ
 ہے ملکِ فراغت پہ حکومتِ میری مے خانے سے اک لحظہ جدائی تو بہ

دیدار بمن نمود از فضل و کرم شاہی کہ بود خسرو اعراب و عجم
این خواب شب قدر شد و قدر فرود دنیا نہ بود بقدر جو در نظر م

دیدار دکھا دیا بہ صد لطف و کرم اس شاہ نے جو ہے شہر اعراب و عجم
اس خواب شب قدر سے توقیر بڑھی دنیا ہے مری نظر میں اب جو سے بھی کم

آنست کہ پیوستہ بود غمخوارم بر فضل نظر کند نہ بر کردارم
شاید کہ ندامتم بفریاد رسد از کردہ خویش منفعلی بسیارم

غمخوار ہے وہ اس کے ہیں احسان بہت رہتا ہے مری خطا سے انجان بہت
شاید ہوندا مت ہی سے فریاد رسی میں اپنے کیے پر ہوں پشیمان بہت

دل شاد بزی ہمیشہ بروی زمین کیخسرو و جمشید نہ مانند بہ بین
 گفتم بتو ایس حرف کہ آگاہ شوی احوالِ جہان گاہ چنان گاہ چنین
 خوش رہ کے بسر کرنے پہ رکھ پنتہ یقین کیخسرو و جمشید میں اب کوئی نہیں
 لازم ہے تو اس بات سے آگاہ ہے احوالِ جہاں گاہ چناں گاہ چنین

از کثرتِ شوق دوستِ عزلتِ بگزین از رنجِ بر آ طریقِ راحتِ بگزین
 پیوستہ چو گرد باد سرگشتہ مشو یک جا بدلِ جمعِ فراغتِ بگزین
 حسرت ہے بہت اکی تو عزتِ لے رنجیدہ نہ رہ طریقِ راحتِ لے
 سرگشتہ ہے کیوں اتنا بگولے کی طرح بھٹکانہ ذرا دل کو فراغتِ لے

از بہر خدا یاد دل شاد بکن ہر وعدہ کہ کردہ ہمہ یاد بکن
انصاف عزیز است فراموش مکن از دام ہمہ بخویش آزاد بکن

آبِ ہر خدا اور مجھے کر دے شاد وعدے جو کیے مجھ سے انھیں کر لے یاد
انصاف اسی میں ہے اے بھول نہ تُو اغیار کی زنجیر سے ہو جا آزاد

خوش آب و ہوا دیدہ نہ بر روی زمین مشکل کہ اگر زیر زمین است چین
در سرکہ ہوا ہاست ازین معلوم است شاید نبود ہوائے آنجا بہ ازین

اس روی زمین پر نہیں آرام کہیں مشکل ہے یہ صورت ہو اگر زیر زمین
جب دل میں یہاں حرص و ہوا ہے اتنی اغلب ہے وہاں کی بھی ہوا خون نہیں

صدرنگ بود همیشه احوالِ جهان گہ سیر بہار ش کن و گہ سیرِ خزان
از پست و بلند او دل آزرده مشو ہموارہ مکن درد بخود ہم درمان

سوزنگ کی تصویر ہے نیزنگِ جہاں دیکھ اس کی بہار اور کبھی اسکی خزاں
بستی و بلند سی سے دل آزرده نہ ہو تو آپ ہی بن دردِ دروں کا درمان

خواہی کہ شوی شاد و نگر و می غمگین از خلق کنارہ گیر و تنہا بہ نشین
آسودگی ہر دو جہان است ہمیں یک حرفِ ز من بشنو و راحت بگزین

ہے تجھ کو اگر شادی و آرام کی دھن رہ خلق سے دُور اور گلِ راحت چُن
آسودگی ہر دو جہاں ہے اس میں یہ کام کی بات ہے اے غور سے سُن

سرتا بقدم فکر و خیال ہمہ تن
 از خود سخنی ہمیشہ دارم آقا
 ہوں غرق تھے خیال ہی میں ہمہ تن
 دل ہی میں ترا ذکر کیے جاتا ہوں
 انظار محالست ہمیں است سخن
 ممکن کسی صورت نہیں انظار سخن

باب کرم و لطف کشود می بر من
 یک فضل تو از ہزار ناید بہ بیان
 صد رنگ دلم شگفتہ شد رشک چمن
 ہر چند زبان شود بشکرت ہمہ تن
 تو نے جو کیا لطف و کرم مشفق من
 شکر ایک ہی فضل کا ہے دھوار بہت
 دل کھل کے ہوا پھول بنا رشک چمن
 ہر چند زباں شکر بنی ہے ہمہ تن

— ۲۴۳ —

این ہستی موہوم جابست بہ بین این بحرِ پُر آشوب سراب است بہ بین
از دیدہ باطن بہ نظر جلوہ گراست عالم ہمہ آئینہ و آب است بہ بین

یہ ہستی موہوم یقیناً ہے جاب یہ بحرِ پُر آشوب سراسر ہے سراب
تو دیدہ باطن سے نظر آتا ہے یہ عالم نیزنگ ہے آئینہ و آب

— ۲۴۴ —

چون پیر شدم گناہ گردید جوان بشگفتہ گلِ داغ بہنگامِ خزان
این لالہ رخانِ نقلِ مزاجم کردند گہ متقیم گاہ سراپا عصیان

میں عمر میں ہوں پیر گناہوں میں جوان داغوں کا چمن ہے اور ہے فصلِ خزان
ان لالہ رنوں نے یہ تلوں بخشا زاہد ہوں کبھی، کبھی سراپا عصیان

— ۲۲۵ —

خواہی بھان نام برآری چونگیں از خلق گزین کنار و تنہا بنشین
دیدیم درین بادیہ از دشت شدند بس سردی دنیا و بسی گرمی دین

تو نام کا خواہاں ہے اگر مثل نیگیں دنیا سے کنارہ کر کے ہو گوشہ نشین
اس دشت میں بہتوں سے شاہوہم نے کچھ سردی دنیا ہے نہ کچھ گرمی دیں

— ۲۲۶ —

یک سو غم دنیا و دگر سو غم دین این است کہ دیدیم نہ آنست نہ این
جان کندن و دل دریغ نام است نشان ہر نیک گرفتست مرا ہم چونگیں

دنیا کا ادھر غم ہے ادھر ہے غم دیں سچ پوچھو تو راحت کسی صورت نہیں
شہرت کے لیے بشر مرا جاتا ہے شہرت کے لیے خود کو بکھتا ہے نیگیں

— ۲۲۷ —

در دل چو نمود ہر جانان مسکن صد رنگ شگفت این گل و گردید چمن
پیدا و نہانیم درین دور کہن مارا نتوان شناخت الا بہ سخن

دل جب سے محبت کا ہوا ہے مسکن سو پھول کھلے اور ہوا رشک چمن
اس دور میں ہم نہاں بھی ہیں پیدا بھی پہچان ہماری نہیں جز حروف و سخن

— ۲۲۸ —

دل را بخیاں او ہم آغوش بکن خود را بفلک ز اوج ہمدوش بکن
این حرف ز متقی فراموش مکن یادِ دو جہان ز دل فراموش بکن

دل اس کے تصور سے ہم آغوش کرو رفت میں فلک سے اسے ہم دوش کرو
یہ بات نہ متقی کی بھولو ہرگز ہر قسم کا غم دل سے فراموش کرو

— ۲۴۹ —

سرد تو حدیث کعبہ و دیر مکن در وادئی شک چو گمراہان سیر مکن
این شیوہ بندگی ز شیطان آموز یک قبلہ گزین سجدہ بر غیر مکن

سرد تو بیان کعبہ و دیر نہ کر اس وادئی اشتباہ کی سیر نہ کر
شیطان سے پوچھ بندگی کیا شے ہے اک قبلہ بنا بندگی غیر نہ کر

— ۲۵۰ —

در کوئے معان موسم گل منزل کن خود را بدر جنون بزن غافل کن
این خرقہ پشیمہ کہ بارست و وبال از دوش بہ فراغت حاصل کن

میخانہ ہر فصل گل میں تیری منزل دیوانہ عشق بن کے ہو جا غافل
یہ خرقہ پشیمہ جو ہے بارگراں پھینکے گا تو کچھ ہوگی فراغت حاصل

—۲۵۱—

بر من در لطف وجود مسدود مکن مقبول تو ہر کہ گشت مردود مکن
از ضعف نمی توان گران بار کشید پیرانہ سرم گناہ افزود مکن

کر خود پہ در لطف نہ ہر گز مسدود مقبول کو کیوں بنا رہا ہے مردود
اُٹھے گا نہ تجھ سے ضعف میں بار گراں بہتر ہے کہ پیری میں گنہ ہوں نابود

—۲۵۲—

اسی فکر کزین خدمت شاہان بگزین بیوستہ کسی نہماند بر روئی زمین
پیشانی شاہان ہمہ پر چین دیدم دنیا نبود بقدر یک چین جبین

رکھتا ہے جو تو خدمت شاہاں بپسین انجام کچھ ان کا تجھے معلوم نہیں
پیشانی شاہاں پہ تو بل ہی دیکھے دنیا کچھ ہے تو ہے نقط چین جبین

خواہی کہ بدست تو بود نام و نشان مانند نگین خانہ نشین شو بہ جہان
پیوستہ چو نقشِ پایا سا یک جا بی سنگ فلاخن نشود ریگِ سوان

خواہش ہے اگر تجھ کو ملے نام و نشان مانند نگین ڈھونڈ کوئی ایک مہاں
بیٹھ ایک جگہ نقشِ قدم کی مانند بے سنگ نہیں ہوتی کبھی ریگِ رواں

دلخواہ نشد دو چار یارے بہ جہان غمخوار نہ دیدم بکارے بہ جہان
آن گل کہ دہد بومی وفا نایاب است کن سیر خزانہ و بہارے بہ جہان

دلخواہ زمانے میں نہیں ایک بھی یار ملتا نہیں دنیا میں کوئی بھی غمخوار
ہو بوئے وفا جس میں وہ گل ہے نایاب کر سیر خزاں بھی دیکھ کر فصلِ بہار

یارب ز کرم خستہ دلم شاد بکن ویرانہ جان و جسم آباد بکن
خواہم کہ عروسِ عیش گیرم بکنار از دام غم و محنتم آزاد بکن

یارب کرم خاص سے رکھ شاد مجھے ویران ہے زندگی رکھ آباد مجھے
دل کو ہے عروسِ عیش راحت کی طلب دام غم و رنج سے کر آزاد مجھے

اسی لالہ رخ و سرو قد و سیمین تن ایام بہار ست بکن سیر چمن
چون غنچہ مکن جملہ نشینی بستم است گل میرود و سنبل و نسرین و سمن

اے لالہ رخ و سرو قد و سیمین تن موسم یہ بہار کا ہے کر سیر چمن
غنچے کی طرح جملہ نشینی ہے بُری مرجھانے کو ہیں سنبل و نسرین و سمن

—۲۵۷—

تاہر و خیالش بدلم کرد وطن صد رنگ شگفت این و شد رشک چمن
فکر م دگر و راہ خیالم دگر است بے صاحب معنی برد این جا بسخن

جب ہے مراد ل تری الفت کا وطن سو رنگ کے پھولوں سے ہے یہ رشک چمن
فکر اور مری راہ خیال اور ہی کچھ معنی ہی نہیں جب تو کہاں حسن سخن

—۲۵۸—

از بہر چہ حب جاہ باید کردن عمر خود را تباہ باید کردن
ماند نگین چہ لازم است از پی نام جان کنن در و سیاہ باید کردن

کیوں مائل حب جاہ تم ہوتے ہو بے فائدہ کیوں تباہ تم ہوتے ہو
کیوں دل میں ہے ماند نگین خواہش نام کس واسطے رو سیاہ تم ہوتے ہو

زین طولِ اہل آہ چہ خواہی کردن زین خواہش جانکاہ چہ خواہی کردن
سررشتہ عمر ہر نفس در تاب است زین ہمت کوتاہ چہ خواہی کردن

یہ طولِ اہل آہ نہیں فائدہ مند یہ خواہش جانکاہ نہیں فائدہ مند
سررشتہ عمر دم بہ دم تیج میں ہے یہ ہمت کوتاہ نہیں فائدہ مند

ای دوست درین دہر نکوکاری کن پیش از نفسی نیست کم آزاری کن
خشنودی اہل دل غنیمت بشمار ہر جا کہ بود خستہ دلی یا رمی کن

اے دوست زمانے میں نکوکاری کر فانی ہے بہت عمر کم آزاری کر
خشنودی اہل دل بھی اک نعمت ہے بیمار سے مل علاجِ بیماری کر

—۲۶۱—

خود را بخیاں دوست دل شاد بکن از محنت اندوہ و غم آزاد بکن
یاران کہ شب و روز رفیق بودند از شادی و اندوہ ہمہ یاد بکن
محبوب کی یاد ہی میں کر دل کو شاد ہو جائے گا یہ رنج و الم سے آزاد
جو دوست شب و روز تم سے ساتھ ہے ہر شادی و اندوہ میں کر ان کو یاد

—۲۶۲—

دریائے عنایتش نہ دارد پایاں در شکر زبان قاصر دل ہم حیران
ہر چند گناہ بیش از رحمت بیش کردیم شناسی یہ بحر عصیان
دریائے کرم تو ہے بہت بے پایاں قاصر ہے زبان شکوین دل ہے حیران
رحمت ہو گناہوں کی بھی مقدار سے بیش ہم کو نہ ڈوب سکے گا بحر عصیاں

—۲۶۳—

گہ متقیم کند گہی پیرِ مغان احوالِ جہان گاہ نہ دیدم یکان
چون نخل گہی سبز و گہی عریانم بی موسم گل بہار ہنگامِ خزان

زادہ ہے کبھی بشر کبھی پیرِ مغان حالاتِ جہاں نہ دیکھے یکساں
بے برگ کبھی اور کبھی ہوں سرسبز بے موسم گل بہار بے وقت خزاں

—۲۶۴—

بی فضل تو آسان نشود شکلِ من آسودگی از رنج نیاید دلِ من
سرسبز بکن کشتِ مرادِ مِ یارب تا گنج فراغت نشود حاصلِ من

بے لطف و کرم سہل نہ ہوگی مشکل دم بھر کے لیے قرار پائے گانہ دل
سرسبز کرے خدا میری مراد ہو جائے مجھے حاصلِ ہستی حاصل

ہر ش بگزین بکا مرانی بنشین دیگر نہ بود دولتِ راحت بہ ازین
بے دوستیش نیست میسر ہرگز گر طالبِ دنیا سئی و گر طالبِ دین

رکھ اس کی محبت پہ مسرت کا یقین اس سے بڑھ کر تو کوئی راحت ہی نہیں
بے اس کی محبت کے نہ ہوگی حاصل دنیا کی طلب ہو تجھے یا خواہشِ دین

خواہی نکشی رنج و بخوئی درمان دوری بگزین ز ہمنشینانِ جہان
چون عقرب و مار کن تصور ہمہ را از صحبتِ ہم دمان امان خواہ امان

خواہش ہے اگر رنج نہ ہو تجھ کو یہاں ہرگز نہ ہو دل دادہ اربابِ جہاں
کھا جائیں گے کاٹ کر یہ ہیں عقرب و مار ان نیشِ زنوں سے ہر گھڑی ناگِ ماں

— ۲۶۷ —

اندیشہ یارانِ حسد پیشہ بکن سگی کہ بہ بینی حذر اندیشہ بکن
از صحبت این طائفہ دل شاد مشو از مردم روزگار اندیشہ بکن

یارانِ حسد پیشہ سے تو خود کو بچا پتھر ہیں یہ توڑیں گے دل شیشہ نما
ان لوگوں کی صحبت سے حذر لازم ہے ان لوگوں سے دُور ہی میں ہے تیرا بھلا

— ۲۶۸ —

تا چند تہ پہر و بر روی زمین از بہر زرو سیم بگردی غمگین
یکجا بنشین بگوشہ ہچو نگیں این نقش بر آب است سراب است بین

کب تک تہ چرخ اور بالائے زمین تو بہر زرو سیم پھرے گا غمگین
ہے نقش بر آب یہ سراب ہستی ہوشِ نگیں گوشہٴ عزلت میں مکیں

—۲۶۹—

با ترکِ تعلق نفسی یارِ بشو زین بارِ گرانِ دمی بسکارِ بشو
تا چشمِ کنی باز بہم باز نہی اسی بیخبر از خویش خبردارِ بشو

اک ترکِ تعلق کا ذرا یار تو ہو اس بارِ گراں سے کچھ بسکار تو ہو
آنکھوں کو نہ کر بند انھیں کھول ذرا لے بے خبر اپنے سے خبردار تو ہو

—۲۷۰—

افسردہ نشد ز رنجِ دنیا دلِ تو آگاہ نشد گاہِ دلِ غافلِ تو
گر تخمِ ندامتِ نفشانِ دمی آہر زین کشتِ ندامتِ چہ بود حاصلِ تو

جب تک غمِ دنیا پہ ہے مائلِ ترا دل آگاہ نہ ہو گا تو رہے گا غافل
بویا جو نہیں تخمِ ندامت تو نے ظاہر کی ندامت سے نہیں کچھ حاصل

شد بر تن من عرق گنه هر سر مو از من همه زشتی است و نیکی است ز تو
تا چند کنم گناه و او فضل کند شرمندہ جرم خودم و رحمت او

تن پر ہے مرے عرق گنه هر سر مو میں زشت ہوں نیکی سے تو یکسر مملو
کبتک میں کروں نگاہ کبتک ہو کرم دونوں نے نجل کیا ہے یا ہو یا ہو

بگذر ز خودی ز فتنہ ہا امین شو تا چند شوی خار گہی گلشن شو
با نفسِ تمکارِ خصومت بر کن گفتم بتو اسی دوست بخود دشمن شو

ہاں چھوڑ خودی کو شر سے تو امین ہو کاٹنا نہ بن اے دوست کبھی گلشن ہو
اس نفسِ تمکار کو دشمن نہ سمجھ لازم ہے کہ خود اپنا ہی تو دشمن ہو

آسان نبود بفہم فہمیدن او مشکل بدل و دیدہ بود دیدن او
 دیوانہ دل و دیدہ بسی حیران است دریافتن و دیدن و سنجیدن او
 ادراک کی حدیں اسے لانا مشکل ہے دیدہ و دل سے اسے پانا مشکل
 دیوانہ ہے دل آنکھ بہت حیران ہے دونوں کا یہاں راہ پہ آنا مشکل

از مال و منالِ خویش معسر و مشو در نشہ این شراب مسرور مشو
 در آمد و رفت این تفاوت بنود دل شاد ازین مباش ورنجور مشو
 دنیا کے زر و مال پہ مغرور نہ ہو یہ بادۂ تشہ پنی کے مسرور نہ ہو
 کچھ فرق نہیں ہے کہ نہیں ہے دولت دل شاد نہ ہو اس سے تو رنجور نہ ہو

— ۲۷۵ —

این باعثِ دل خستگی ام چسبیت بگو تا چند بہ محنت بکنم زیست بگو
 ہر چند بدم از کرم خویش بہ بخش غیر از تو بمن رحم کند کیست بگو
 دل خستگی ورنج ہے کیوں کچھ تو بتا کب تک کروں برداشت غم ورنج و عنا
 ہر چند بُرا ہوں تو کرم کر مجھ پر بخشے گا نہ کوئی بھی مجھے تیرے ہوا

— ۲۷۶ —

میںائی فلک کہ سنگ می بارد زو در پردہ صلح جنگ می بارد زو
 غیر از سپرِ قدح گریزت نہ بود ہر چند کہ سنگِ ننگ می بارد زو
 افلاک سے گرتے ہیں بہت سنگ یہاں ہے صلح کے پردے میں بہت جنگ یہاں
 بچنے کے لیے سپرِ بنا ساغر کو ہر چند ہے اس میں بھی بہت ننگ یہاں

— ۲۷۷ —

از وہم و خیال خویش دلریش شو وز نیک و بد خلق بد اندیش شو
صحبت مکنی مدار جز ساقی و جام گر یار شوی بادوسہ کس بیش شو

خود اپنے خیالات سے دلریش نہ ہو نیک و بد دنیا سے بد اندیش نہ ہو
ہو دوست کسی کا نہ بجز ساقی و جام یاری تری دو تین سے ہو بیش نہ ہو

— ۲۷۸ —

خواہی کہ بخود دوست شوی دشمن شو از آفتِ خواہش بچہانِ ایمن شو
این نفسِ ستمگار دل آزار ترا خار بست کن از بارغِ دل و گلشن شو

تو خود کو عزیز ہے تو خود دشمن ہو رکھ دل میں نہ خواہش کوئی اور ایمن ہو
یہ نفسِ ستم گر ہے دل آزار بہت کانٹے کو نکال اور خود گلشن ہو

ہر لحظہ ندامت است یا رب زگناہ در دل ہمہ خجلت است و بہ لب آہ
 اسی بادِ مرادِ وصل وقتِ مدد است در بحرِ گناہ کشتیم گشت تباہ

تڑپاتے ہیں ہر لحظہ مجھے میرے گناہ دل میں ہے ندامت تو میرے لب پر آہ
 اے بادِ مرادِ وصل کر میری مدد کشتی ہوئی عصیاں کے سمندر میں تباہ

جز محنت و رنج نیست حاصل زہمہ فارغ شو و آزاد۔ بکن دل زہمہ
 خود را بخدا گزار و اندیشہ مکن این فکر و خیال و وہم مشکل زہمہ

دنیا سے بجز رنج نہیں کچھ حاصل اس انس کو چھوڑ دے تو آسودہ ہو دل
 دل اپنا خدا کو سونپ کچھ خوف نہ کر کچھ بھی نہ بگاڑے گایہ وہم باطل

— ۲۸۱ —

از نیک و بد خویش نگشتم آگاہ
بر فضل تو کردم گنہ و نامہ سیاه
از قدرت تست ضعف و قوت ہمہ را
لا حول ولا قوۃ الا باللہ

نیکی و بدی سے نہ ہوا میں آگاہ
رحمت کے بھروسے پہ کیا نامہ سیاه
طاقت ہو کہ ضعف تیری قدرت ہی ہے
لا حول ولا قوۃ الا باللہ

— ۲۸۲ —

غیر از در رحمتش نداریم پناہ
بے چارہ و عاجزیم با حال تباہ
فی طاقت زہدست نہ یارائے گناہ
لا حول ولا قوۃ الا باللہ

رحمت کے سوا اور نہیں کوئی پناہ
عاجز ہوں مرا حال نہایت ہے تباہ
ہے زہد کی طاقت نہ ہے یارائے گناہ
لا حول ولا قوۃ الا باللہ

— ۲۸۳ —

شوخی ز کفم رہو دل را بہ نگاہ شد روزِ بمن تیرہ ازین چشمِ سیاہ
پیری و شباب جمع شد آخر کار لاحول ولا قوۃ الا باللہ

دل لے گئی اک شوخ کی دزدیدہ نگاہ دن کو بھی سیہ کر گئی وہ چشمِ سیاہ
یک جا ہوئے پیری و شباب آخر کار لاحول ولا قوۃ الا باللہ

— ۲۸۴ —

احوال کہ از جورِ فلک گشت تباہ این بود کہ از شاہ و گدا خواست نباہ
دیدم ہمہ را و آزمودم ہمہ را لاحول ولا قوۃ الا باللہ

ہے جورِ فلک سے یوں مرا حال تباہ میں کہیں و ناکس سے ہوں جو یا کُپناہ
دیکھا بھی ہے سب کو آزمایا سب کو لاحول ولا قوۃ الا باللہ

—۲۸۵—

افسوس بہ تقدیر نہ برویم پناہ ز اندیشہ و تدبیر شد احوال تباہ
مغرور مشو بہ قوت و قدرت خویش لاحول و لا قوۃ الا باللہ

افسوس کہ تقدیر نے بخشی نہ پناہ تدبیر سے حال ہو گیا اور تباہ
مغرور نہ ہو اس پہ کہ طاقتور ہوں لاحول و لا قوۃ الا باللہ

—۲۸۶—

احوال شد از زشتی اعمال تباہ جز فضل خدا نیست دگر جائے پناہ
ہر چند کہ من ضعیف و البلیس قوی است لاحول و لا قوۃ الا باللہ

ہے زشتی اعمال سے ہی حال تباہ جز فضل خدا اور نہیں کوئی پناہ
ہر چند میں کمزور ہوں شیطان قوی لاحول و لا قوۃ الا باللہ

—۲۸۷—

گر متقیم و گر اسیرم بہ گناہ آئی کہ بہر حال در آرمی بہ پناہ
نیک و بد ہر کس بہ ید قدرت تست لا حول ولا قوۃ الا باللہ

زاہد ہوں میں یا رہتا ہوں پابند گناہ تو وہ ہے کہ ہر حال میں دیتا ہے پناہ
ہر ایک کا نیک و بد تم سے ہاتھ میں ہے لا حول ولا قوۃ الا باللہ

—۲۸۸—

زاہد تو چہ لذت زریا یافتہ صد خرقة پشیمینہ بہم تافتہ
از رشتہ تبیح کہ باریک نموست محکم رسی برائے خود یافتہ

زاہد تجھے دیتا ہے مزا کیا یہ ریا کیوں خرقة پشیمینہ کو ملبوس کیا
ہے رشتہ تبیح سے الفت تجھ کو کیا خوب بنایا ہے گلے کا پھندا

— ۲۸۹ —

یہودہ بسی تخم ہوس کاشتہ حاصل چہ ازیں کاشتہ انگاشتہ
 سودائے جہان سود نہ بخشہ آخر نقصان کند آنچه نفع پنداشتہ
 بے فائدہ کیوں تخم ہوس ہوتا ہے حاصل تجھے اس کام سے کیا ہوتا ہے
 سودے میں جہاں کے تو نہیں سود ذرا تو اصل میں پاتا نہیں کچھ کھوتا ہے

— ۲۹۰ —

بادام ہوا و حرص تا ہم نفسی پابند خودی شام و سحر در نفسی
 آزاد چو سرو باش در گلشن دہر گر سنبل و نسرتنی و گر خار و خسی
 تو حرص سے آزاد نہیں ایک نفس ہے تیری خودی تیرے لیے ایک نفس
 ہو سرو کی مانند چمن میں آزاد تو سنبل و نسرتنی ہے ہے خار کہ خس

۲۹۱

در دہراگر ہمسرا فلک شوی پستی بگزین کہ عاقبت خاک شوی
آزردگی جہان نیرزد بجوی دامن بہ نشان ز حرص ناپاک شوی

ہر چند ہے تو ہمسرا وچ افلاک لازم ہے تجھے عجز کہ ہونا ہے خاک
کچھ بھی تو نہیں قیمت فکر دنیا دامن کو چھڑک حرص سے ہوگا ناپاک

۲۹۲

پیدا است ز پشانی من عصیان داری نظر لطف بمن پنہانی
اسرار نہان بود بہ پیش تو عیان گر فاسق و گرتقیم می دانی

مرقوم مرے ہاتھ پہ ہیں میرے گناہ اس پر بھی ہے مجھ پر تری در پردہ نگاہ
اسرار نہاں تجھ پہ سراسر ہیں عیاں زاہد ہوں کہ فاسق تو ہے اس آگاہ

— ۲۹۳ —

گر در طلب بادۂ راحت ہستی وز نشۂ آزادی دنیا مستی
دین ہم بگذار دامن دوست بگیر در عالم مستی ز دو عالم رستی

ہے بادۂ راحت کی اگر تجھ کو تلاش کچھ تجھ کو نہیں فکر جہاں فکر معاش
کر دین بھی ترک اور پکڑ دامن دوست دیکھے گا دو عالم میں نہ کوئی پر غاش

— ۲۹۴ —

تا چند در اندیشۂ دنیا باشتی آوارۂ دشت و کوہ و صحرا باشتی
دامانِ قناعت است بسیار وسیع از دست مدہ درین جہاں تا باشتی

کب تک تجھے اندیشۂ دنیا کب تک آوارۂ دشت و کوہ و صحرا کب تک
ہے اس میں بھلا تیرا سے چھوڑ نہ تو دامانِ قناعت سے کنار کب تک

—۲۹۵—

تنہا نہ ہمیں جان و دل ایسا نی آنی تو کہ ہر خطہ بچندین۔ آنی
بیرون ز تصور و خیالت دیدم آن چیز کہ در فہم نیاید۔ آنی

میرا ہی نہیں بلکہ ہے محبوبِ اناام تو وہ ہے کہ اک لحظہ میں سو تیر مقام
باہر ہے مرے فہم و تصور سے تو حق بات یہ ہے اس میں نہیں کوئی کلام

—۲۹۶—

ای جان گرامی تو چرا نادانی باید کہ بدانی چہ قدر می مانی
براستی موہومِ عبث مغروری پیوستہ نمائی۔ دوسہ دم ہمانی

اے دوست بھلا کس لیے نادان ہے تو فانی ہے مگر اس پہ بھی انجان ہے تو
ہے ہستی موہوم پہ یہ نازِ عبث دو تین ہی دن کے لیے ہمان ہے تو

—۲۹۷—

در دیدہ و دل ہمیشہ دارد گذری ہر لحظہ بدیدار شود در اثری
گوخستہ دلی کہ سیر این جلوہ کند از خود رود و ز خود نگیرد خبری

ہے دیدہ و دل میں ترا ہر وقت گزر ہر شے میں نمودیری ہی ہر شے میں اثر
اس رنگ میں کرتا ہے جو تیرا دیدار وارفتہ کو رہتی نہیں خود اپنی خبر

—۲۹۸—

اے خانہ خراب از خدا بے خبری اے موجِ سراب از خدا بے خبری
این ہستی مہوم تو نقش است بر آب اے جوشِ حباب از خدا بے خبری

اے خانہ خراب کیوں ہے بیگانہ حق اے موجِ سراب کیوں ہے بیگانہ حق
یہ ہستی مہوم تو ہے نقش بر آب اے جوشِ حباب کیوں ہے بیگانہ حق

—==۲۹۹==—

بیش از گنہم بخشش و احسان کردی بر خوانِ کرم ہمیشہ همان کردی
ہر چند گنہ بیش شد افزود کرم این طور ز کردارِ پشیمان کردی

عاصی ہوں مگر موردِ احسان ہوں میں خوانِ کرم دوست پہ مہاں ہوں میں
عصیاں بھی ہیں بیش اور کرم اسے بیش اپنے کردار سے پشیمان ہوں میں

—==۳۰۰==—

گیرم کہ چو ز گس ہمہ تن سیم و زری تا چشم کشودی و بخود در نگری
از خواہش مال و جاہ رحمت نہ بری اسی جوش بہار از خزان بے خبری

مانا کہ تو ز گس کی طرح ہے زردار کھول آنکھ ذرا اور کر اپنا دیدار
رحمت ہے فقط یہ خواہش جاہ و حشم پت جھڑے ہے کیوں سب خیر بے جوش بہار

— ۳۰۱ —

از مردم روزگار غسل نظری وز گرمی این طائفہ خوشدل نہ شوی
پرواز بکن ہمیشہ از صحبتِ شان تا در نفسِ فریب بسمل نہ شوی

دنیا سے ہے لازم تجھے غافل ہونا اچھا نہیں اس بزم میں خوشدل ہونا
تو چھوڑ بھی دے بروں کی صحبت ورنہ اس پنجرے میں ہوگا تجھے بسمل ہونا

— ۳۰۲ —

در پیری وضعِ سیرگشتن نہ کنی صد رنگ گل اشکِ بدامن نہ کنی
بچون غنچہ درین باغ پریشان کردی بی لالہ رخی میلِ شگفتن نہ کنی

کیوں کرتا ہے پیری میں تو سیرگشتن رنگین نہ کر آنسوؤں سے اپنا دامن
کھلنا نہیں ممکن جو نہیں وہ گل رو دل جس میں شگفتہ ہے وہ ڈھونڈھن

— ۳۰۳ —

تا چند بہ کوہ و دشت زحمت بکشی از بار ہوا و حرص محنت بکشی
 این زندگیت بقدر خواہش نہ بود وقت است ہنوز گز نہ امت بکشی

کب تک یہ ہوئے سیر دشت و کہار یہ حرص کا بوجھ ہے سراسر آزار
 جیتے جی تو خواہش نہیں پوری ہوگی ہے وقت ابھی کہ شرم ہو تیرا شعار

— ۳۰۴ —

افسوس ز احوال خود آگاہ نئی بدخواہ خودی ولی ہوا خواہ نئی
 بی ہوشی غفلت خمار می دارد ہشیار ز صہبائی سحر گاہ نئی

افسوس تو اعمال سے آگاہ نہیں بدخواہ ہے اپنا تو ہوا خواہ نہیں
 بے ہوشی غفلت میں بلا کا ہے خمار تو واقع صہبائے سحر گاہ نہیں

== ۳۰۵ ==

از خواہش مال و جاہ زحمت ببری بایار بسر بکن کہ راحت ببری
غافل نشوی بسی ندامت بکشی آگاہ اگر شوی فراغت ببری

دولت کی ہوس چھوڑ کہ راحت مل جائے ہم صحبت حق ہو کہ مسرت مل جائے
غفلت میں ندامت کے سوا کچھ نہیں اس بات کو سمجھے تو فراغت مل جائے

== ۳۰۶ ==

یارب زمن زار نیاید کاری جز معصیت و غفلت بی حد کاری
از کار گذشتہ کار آگاہ شدم کاری نہ شد از من کہ بیاید کاری

کچھ بھی نہ کیا دل کو گراں بار کیا عصیاں میں رہا خود کو نہ بیدار کیا
اس بات کا اب علم ہوا ہے مجھ کو جو کام کیا میں نے وہ بے کار کیا

—≡۳۷≡—

گہ شہر و دیار گہ بہ صحرا رفتی در راہ ہوس بصدقتن رفتی
این قافلہ نزدیک سر منزل شد اتمام سفر گشت کجا ہا رفتی

تو شہر و دیار و صحرا میں گیا راہ ہوس و حرص کا راہی بھی ہوا
یہ قافلہ اب پہنچا ہے منزل کے قریب باقی نہ رہی عمر کرے گا اب کیا

—≡۳۸≡—

لے دل عبث از دار بقا می ترسی اندیشہ ممکن کہ از کجا می ترسی
در راہ فنا نیست تعب آرام است آن خانہ ازین جاست چرا می ترسی

اے بے خبر دار بقا ڈر نہ ذرا اندیشہ تجھے اس سے کیا ڈر نہ ذرا
اس گھر کا تعلق بھی تو ہے دنیا سے راحت کہہ ہے راہ فنا ڈر نہ ذرا

از مردم دنیا بود اندیشہ بسی این گرگ و پلنگ اندرین بیشہ بسی
مینائی دل از سنگدان در خطر است اندیشہ بود ہمیشہ زین شیشہ بسی

دنیا والوں سے زندگی سبھی ہے تنگ اس دشت میں رہتے ہیں بہت گرگ و پلنگ
ان سنگ دلوں سے دل نہیں بچ سکتا اس شیشے کو ہر وقت ہے اندیشہ سنگ

افسوس کہ از کردہ خود بے باکی در دشتِ ہوس جیب و گریبان چاکی
این یک دو نفس ہستی خود نیست شمار پندار کہ بر خاک نئی در خاک

تو اتنا گنہ گار پھر اتنا بے باک ہے دشتِ ہوس میں تراد من صچاک
دو چار نفس ہی کی ہے ہستی تیری تو خاک پر آ باد نہیں خود بھی ہے خاک

دریاست دلت گرتو شناور بشوی غواص محیط هفت کشور بشوی
در بحر وجود تست موجود ہمہ طوفان بکنی وخواہ لنگر بشوی

دریا ہے اگر دل تو شناور ہو جا غواص محیط ہفت کشور ہو جا
اس بحر وجود میں ہیں دونوں ادھنا طوفاں ہو جا تو خواہ لنگر ہو جا

امی دل بخدا کہ از خدا بے خبری ہر شام و سحر در طلب سیم و زری
از موج سراب و از حبابی کمتر مانند سیم ہر نفس در گزری

اللہ کی اے دل نہیں کچھ تجھ کو خبر ہر وقت ہے تجھ کو خواہش سیم و زر
تو موج سراب سے ہے بڑھ کر بے بود مانند سیم ہے یہاں تیرا گزر

ہر شام تو از شراب غفلت مستی در بر رخ فیض ہوش محکم بستی
مینائی فلک پُراست از بادہ کین ہشیار کہ آخر نہ کند بد مستی

بخشی مئے غفلت نے تجھے یہ مستی ویران ہوئی ہوش و خبر کی بستی
مینائے فلک میں ہے عداوت کی شراب تا تیرے اس کی تو فقط بد مستی

خواہی کہ رسی بکام و تلخی نہ چشی آسودہ شوی بارِ ندامت نہ کشی
با صبر بساز و با قناعت خو کن از دستِ ہوا و حرص در کشمکش

خواہاں ہے اگر کہ اشکِ حسرت نہ ہے آسودہ رہے بارِ ندامت نہ ہے
اس کے لیے ہے صبر و قناعت لازم کیوں کشمکشِ حرصِ تمے دل میں ہے

—۳۱۵—

ہستی بہ نظر چہ شد اگر پنہانی این راز نہفتہ را تو ہم می دانی
چون شمع ز فانوس نمائی خود را پیوستہ درین لباس خود عریانی

نظروں میں ہے ہر چند کہ پنہاں تو ہے اس راز کا بھی صاحب عرفاں تو ہے
ہے شمع کی مانند نسیاں ہر دم فانوس کے پرے میں بھی عریاں تو ہے

—۳۱۶—

اسی یار درین دیار غم خوار توئی آگاہ بر احوالِ من زار توئی
دیدم ہمہ را و آزمودم ہمہ را در یکیسی ام یارِ وفادار توئی

غم دیدہ ہوں میں اگر تو غم خوار ہے تو آگاہ مرے حال سے لے یار ہے تو
دیکھا بھی ہے سب کو آزمایا سب کو بیکس ہوں میں اک یار وفادار ہے تو

— ۳۱۷ —

بیہودہ در اندیشہٴ سیمی و زرمی حاصل ز بہان بجز ندامت نہ بری
بیش از نفسی ہستی موہوم تو نیست مانند حجاب رفتہ و در گزری

بے ہودہ ہے اندیشہٴ زر اے غافل ہونا ہی پڑے گا تجھے ہستی پختل
ماند حجاب آکے چلا جائے گا بس ہستی موہوم کا ہے یہ حاصل

— ۳۱۸ —

در بحر وجود کم تر از خار و خسی مانند حجاب یک نفس در نفسی
آزاد بشوز دام غفلت گفتم بیہودہ گرفتار بقید ہوسی

ہستی کے سمندر میں ہے تو خار و خس جینا ہے ترا مثل حجاب ایک نفس
آزاد ہو اے قیدی دام غفلت ہے کس کے لیے بے ہودہ گرفتار ہو

از بہر دوروز رنج دنیا نکستی این بار گران بدوش بیجانہ کشتی
امروز اگر دست ز خواہش بکشتی درد و غم و انفعال فردا نہ کشتی

دودن کے لیے زحمت دنیا نہ اٹھا یہ بار گراں دوش پہ بے جانہ اٹھا
اس حرص سے آج ہی کنارہ کر لے کل کے لیے بوجھ رنج و غم کا نہ اٹھا

ای بے خردی کہ از خدا بی خبری آشفۃ و دیوانہ سیمی وزری
بیش و کم دنیا بکف جو خداست دز بخشش او ہمہ کس کینہ وری

خالق سے تو بیخبر ہے اے ولے خرد سر میں ہے زرو سیم کا سودا بے حد
بیش و کم دنیا کا تو مالک ہے خدا بخشش جو کسی پر ہے تو کیوں تجھ کو ہر حد

— ۳۲۱ —

ای جانِ گرامی بحمدِ نادانی در خانہٴ من یک دوسہ دمِ مہانی
برچرخ اگر روی و خورشید شومی آن ذرہ کہ در شمسار ناید آنی

اے جانِ گرامی تو بہت ناداں ہے دو تین ہی سانس کا یہاں یہاں ہے
وہ ذرہ ہے تو جو کسی گنتی میں نہیں ہاں پہنچے فلک پر تو مہِ تاباں ہے

— ۳۲۲ —

خواہی کہ شومی شاہ و گدائی نہ کنی باید کہ خیالِ پارسائی نہ کنی
از دردِ کشتی صاف دلی حاصل کن یک گام ز میخانہٴ جدائی نہ کنی

خواہش ہے رہو شاہ، گدائی نہ کرو لازم ہے خیالِ پارسائی نہ کرو
مل جائے گی دردِ مے سے بھی صاف دلی میخانے سے دم بھر بھی جدائی نہ کرو

—۳۲۳—

افسوس کہ غافل تو زہستی ہستی پیوستہ ز صہبائی رعونت مستی
ہر چند شومی بلند چون شعلہ خسی از شامت سرکشی در آخر پستی

بتجھ کو یہ نہیں خبر کہ ہے کیا ہستی صہبائے رعونت کی ہے دائم مستی
کچھ بھی نہیں کتنا بھی ہوا دنچا شعلہ انجام ہے سرکشی کا آخر پستی

—۳۲۴—

گہ سرو و گہی سنبل و گہ یاسمنی گہ کوہ و بیابانی و گاہی چمنی
گہ نور چراغی و گہی بوئے گلی گہ در چمنی و گاہ در انجمنی

سنبل ہے کبھی اور کبھی برگ سمن تو درِ عدن کہیں، کہیں لعلِ مین
تو شمع کا نور ہے ہر اک محفل میں بوئے گل تر ہو کے بھی ہے زیبِ چمن

—۳۲۵—

ہرچند کہ کم لطف و دل آزار توئی بیش از ہمہ غم خوار و وفادار توئی
در عالم امتحان چو گشتم دیدم ہر جا کہ بود خستہ دلی یار توئی

ہرچند کہ کم لطف و دل آزار ہے تو پھر بھی مرا غم خوار و وفادار ہے تو
معلوم ہوا یہ آزمائے کے بعد دل خستہ کہیں بھی ہو مددگار ہے تو

—۳۲۶—

سرمد در دین عجب شکستی کردی ایمان بفدائی چہ شتم مستی کردی
با عجز و نیاز جملہ نعت خود را رفتی و نثار بت پرستی کردی

دیں چھوڑ دیا اور کیا کفر سے ساز ایمان کیا ترک جھکا سوئے حجاز
کافر پہ فدا کر دیا تو نے سرمد جتنا تھا ترے پاس زہِ عجز و نیاز

— ۳۲۷ —

افسوس ز سرتا بقدم بوالہوسی اندیشہ بکن بہ بین چہ چیز ی چہ کسی
آزاد بشوز دام غفلت گفتم تا در ہوسی اسیر اندر قفسی

ہے تیر ہوس اور تو اس کا بخیر کچھ سوچ کہ تو خاک ہے یا ہے اکیر
پھندے غفلت کے توڑ ہو جا آزاد جب تک تو ہوس میں ہے قفس میں ہے اسیر

— ۳۲۸ —

ای دل ز ہوا و حرص غمگین بشدی با بیش و کم جہان بہ تسکین بشدی
خود را سبک و ننگ دو عالم کردی از بارِ گران خستہ و سنگین بشدی

کیوں حرص و ہوا سے ہی تو لے دل غمگین کیوں بیش و کم جہاں سے پائی تسکین
اب پھرتا ہے کیوں ننگِ دو عالم ہو کر اس بوجھ سے دم بھر تجھے آرام نہیں

ای دل تو درین زمانہ گمراہ شدی پابند ہوا و حرص جانگاہ شدی
 زین دایم بلا اگر بجستی آخر سرتنا بقدم داد و غم و آہ شدی

اے دل تو غم دہر سے گمراہ بھی ہے پابند ہوا و حرص جانگاہ بھی ہے
 اس دایم بلا سے کیوں تجھ کو الفت تو درد بھی ہے رنج بھی ہے آہ بھی ہے

فارغ ز ہوا و حرص یکدم نشدی از فکر مال کار از غم نشدی
 چون گاوخری کہ ہست در فکر وجود کمتر تو ز سگ شدی و آدم نشدی

بے گانہ کبھی حرص سے یکدم نہ ہوا تسکین ملی کب تجھے کب غم نہ ہوا
 حیواں کی طرح تجھ کو رہا فکر وجود گتے سے بھی کم تر ہوا آدم نہ ہوا

در خوابی و از خویش نداری خبری غفلت ندهد بجز ندامت ثمری
یاران همه رفتند تو ہم در راهی بر ہستی موبوم نداری نظری

اے سوئے ہوئے تجھ کو نہیں اپنی خبر جز شرم نہ مل سکے گا غفلت کا ثمر
تو راہ میں ہے دوست گئے منزل تک کیوں ہستی فانی پہ نہیں تیری نظر

ہر روز بدریائی ہوس گردانی از ظلمت غفلت ہمہ شب در خوابی
ایام جوانی شد و پیری آمد وقت است اگر فیض چمن دریابی

کھاتا ہے تو دریائے ہوس میں چکر طاری تجھ پر ہے خواب غفلت شب بھر
ایام جوانی گئے پیری آئی ہے وقت ابھی فیض خدا حاصل کر

اسی باد بگو بمیر زائی بخششی
کاسی کردہ فلک بزیرِ رایت رشتشی
گفتی کہ کو اکب چو درم می پاشتم
خورشید مرا نیز بن می بخششی

بخششی سے یہ کہہ جا کے تو لے باد صبا
افلاک پہ لہراتا ہے تیرا جھنڈا
برساتا ہے تائے تو درم کے مانند
لش مجھے بخش دے خورشید مرا

کتابیات

1. Dara Shikoh, Life and Works by Dr. Bikarmajit Hasrat
2. Rubaiyat-i-Sarmad by Fazal Mahmud Asiri.
3. History of Aurangzeb by Jadu Nath Sarkar
4. The Cambridge History of India.
5. Dara Shikoh by K. R. Qanungo.
6. Oriental Biographical Dictionary edited by the Asiatic Society Bengal.
7. Majma-ul-Bahrain by Dara Shikoh edited by Mahfuzul Haq.

- ۸ - دبستان مذاہب مطبوعہ نول کشور پریس ۱۳۸۱ء
- ۹ - دیوان قطب الدین بختیار کاکی مطبوعہ نول کشور ۱۳۸۲ء
- ۱۰ - تاریخ ادبیات ایران از ڈاکٹر رضا زاده شفق ترجمہ سید مبارز الدین رفعت
- ۱۱ - کلمات شعراء از سرخوش

- ۱۲ - ریاض الشعرا از والد داخستانی
- ۱۳ - سوانح سرمد از ابوالکلام آزاد (مقاله)
- ۱۴ - دیوان حافظ مترجم اردو از خواجہ محمد عبید اللہ لاہور۔
- ۱۵ - خانہ جنگی - پروفیسر محمد مجیب۔
- ۱۶ - منطق الطیر - مطبوعہ پیرس - مرتب گارسان دماسی ۱۸۵۴ء
-